از وِلاے دُودمانش زنده ام
درجہاں مثلِ گہر تابنده ام

سلام اللہ ورضوانہ علیہم

مقامِ اہلِ بیت

اقبالؒ کی نگاہ سے

فکرِ اقبالؒ کے قرآنی اور حدیثی مآخذ، نئی فکری جہات، نادر نکات، انقلاب آفریں خیالات، تاریخی شخصیات و واقعات اور شعری محاسن کی توضیحات

تفہیم و تحقیق
حافظ ظفراللہ شفیق

کتاب .... مقامِ اہل بیتؓ اقبالؒ کی نگاہ سے

تالیف .... حافظ ظفر اللہ شفیق

صفحات 176

اشاعت .... بارِ اوّل، شعبان المعظم ۱۴۳۰ھ/اگست ۲۰۰۹ء

رابطہ .... 0300 4186759، بعد از نماز مغرب

ناشر .... **ادارہ صراط مستقیم** (۱)

سٹریٹ #9/c، مسلم کالونی

شالامار لنک روڈ، باغبان پورہ، لاہور

ملنے کے چند مقامات

۱ مسجد خالد، کیولری گراؤنڈ، لاہور کینٹ

۲ مکتبہ سید احمد شہیدؒ، الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

۳ مکتبہ سلطان عالمگیرؒ، 5 لوئر مال، اردو بازار، لاہور

۴ ادارہ اسلامیات، انارکلی، لاہور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا“ (الاحزاب ۳۳:۳۳)

ترجمہ: ”اللہ تو بس یہ چاہتا ہے اے اہل بیت! کہ تم سے گندگی کو دور کر دے اور تمہیں خوب پاک صاف کر دے“۔

☆ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے علی، فاطمہ، حسن اور حسین کو بلایا، پھر فرمایا:

”اللّٰھم ھؤلاء اھل بیتی“ ”اے اللہ! یہی تو میرے اہل بیت ہیں“۔

(رواہ مسلم عن سعدؓ بن ابی وقاص)

☆ ابوذرؓ نے کہا، جبکہ وہ بابِ کعبہ کو تھامے ہوئے تھے، میں نے نبی ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے: ”آگاہ رہو میرے اہل بیت تمہارے اندر سفینہ نوح کی مانند ہیں، جو اس میں سوار ہوا، بچ گیا، جو پیچھے رہا مر گیا“۔

(رواہ احمد)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

آئینۂ عناوین

حرفِ دل

ایک مجلس میں اقبالؒ کی فکری عظمت اور شعری نُدرت کے بارے میں بات ہو رہی تھی۔ شریکِ محفل ایک صاحب نے بتلایا کہ انقلابِ ایران سے چند سال پہلے بالائی تہران کے عین درمیان ایک عظیم الشان مسجد بنائی گئی اور اُس کے ساتھ ایک مرکزِ ارشادِ حسینیہ تعمیر کیا گیا۔

مسجد اور مرکز کی عمارت ایرانی حسنِ تعمیر کی آئینہ دار ہے۔ مرکز میں آڈیٹوریم (Auditorium) کے اسٹیج پر دو حسین محرابی کتبے ایستادہ ہیں۔ ایک کتبہ آیاتِ قرآنی سے جگمگا رہا ہے اور دوسرے کتبے پر مرکزِ ارشادِ حسینیہ کی مناسبت سے اقبالؒ کی نظم ''سرِّ حادثۂ کربلا'' کندہ ہے۔

اس مرکز کا جب افتتاح ہوا تو عمائد اور اکابر علماً تشریف لائے، جن میں ڈاکٹر علی شریعتی بھی تھے...... جاننے والے جانتے ہیں کہ ایران کے فکری حلقوں میں ڈاکٹر شریعتی کو وہی مقام اور احترام حاصل ہے، جو ہمارے ہاں ڈاکٹر اقبالؒ کے لیے ہے...... مرکز کا معائنہ کرتے ہوئے اسٹیج پر پہنچے، ''سرِّ حادثۂ کربلا'' پر نظر پڑی، قلبِ ایران میں اقبال لاہوری کا کلام! سب کو حیرت ہوئی، کہا گیا:

کیا آپ کو اس مقام کے لیے کسی ایرانی کا کلام نہیں ملا؟!

استاذ مرتضیٰ مطہری نے، جو اس تعمیر کے نگران بھی تھے، جواب دیا:

"پورے اسلامی لٹریچر میں "سرِّ کربلا" پر اس سے بہتر کوئی کلام ہو تو لائیے، اسے کھرچ کر اُسے لکھ دیا جائے گا"۔ سب خاموش ہو گئے۔

اس سکوتِ تسلیم کے ساتھ اب تک ایران کی لوحِ قلب پر کلامِ اقبال کے نقوش یہ اعلان کر رہے ہیں:

عصرِ حاضر کا شاعرِ اسلام اقبالؒ ہے

☆ اہل بیت اطہارؑ کے بارے میں اقبالؒ جو خیالات اور جذبات رکھتے تھے اور معرکۂ کربلا سے اقبالؒ پر جن اسرار و رموز کا الہام ہوا، آئندہ صفحات میں انہیں ایک خاص ترتیب سے جمع کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

☆ آغاز میں میرا ارادہ صرف یہ تھا کہ اس موضوع پر کلامِ اقبالؒ سے اشعار جمع کر کے اُن کا ترجمہ کر دیا جائے، لیکن چند مقامات پر وضاحت کی ضرورت محسوس ہوئی، چنانچہ شروح فراہم کیں، یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ کئی ایسے مقامات جہاں میں الجھا، وہاں شارحین بھی نظر بچا کر گزر گئے، بلکہ ایک مقام تو ایسا بھی آیا، جہاں ایک شارح نے قافیہ غلط اور معنی بے ربط کی توجیہ کر کے متن میں ایک لفظ کو کتابت کی غلطی قرار دیا، پھر اپنے خیال کے مطابق اس کی اصلاح کی...... اُن کی اصلاح دل کو نہ لگی، آخر اللہ کے حضور سربسجود ہوا، تو کشف ہوا کہ متن درست ہے، شارح سے شعر پڑھنے میں غلطی ہوئی، اس لیے ٹھوکر کھائی...... بہر کیف ایسے مقامات پر اللہ کی رحمت نے دستگیری کی اور بابِ علم سے فیض رسانی ہوتی رہی، اس کرم پر میں سراپا شکر و نیاز ہوں۔

☆ خودی اور بے خودی اقبالؒ کا خاص فلسفہ ہے، 'اسرارِ خودی' اور 'رموزِ بے

خودی' کے مضامین اسی فلسفے کے گرد گھومتے ہیں۔ اقبالؒ نے سیدنا علیؑ کا ذکر 'اسرارِ خودی' میں اور سیدہ فاطمہؑ اور امام حسنؑ اور امام حسینؑ کا تذکرہ 'رموزِ بے خودی' میں کیا ہے۔ زیرِ نظر تالیف میں اس فلسفے کی روشنی میں اہلِ بیتِ اطہارؑ کا مقام اجاگر کیا گیا ہے، جو اقبالؒ کا اصل مقصود ہے۔

☆ جاننے والے جانتے ہیں کہ اقبالؒ کے فلسفے اور کلام کا ماخذ قرآن مجید اور حدیث شریف ہے۔ اس شرح میں اہتمام کے ساتھ کلامِ اقبالؒ کے قرآنی یا حدیثی مآخذ کی نشاندہی کی گئی ہے۔

☆ اس شرح میں کلامِ اقبالؒ میں مذکور شخصیات، واقعات اور اشارات کی وضاحت کی گئی ہے۔

☆ تفہیم کے لیے اشعار کے عنوانات قائم کیے گئے ہیں۔

☆ الفاظ و معانی کی شرح کے ساتھ پوری نظم میں موجود لطیف ربط اور شعری حسن کو بھی نمایاں کیا گیا ہے۔

☆ 'اسرارِ خودی' میں 'نیابتِ الٰہیہ' کے مرحلے میں اقبالؒ نے نائبِ حق کے اوصاف بیان کیے ہیں، شارحین نے اِن اوصاف کی تو کچھ وضاحت کی ہے، لیکن اس نائبِ حق کے مصداق کا تعین پہلی مرتبہ آپ کو زیرِ نظر شرح میں ملے گا۔

☆ حکیم الاسلام اقبالؒ نہایت دقیق النظر اور وسیع المعنی شاعر ہیں۔ تمام تر کوشش کے باوجود مجھے اعتراف ہے کہ میں اس تالیف میں درج کلامِ اقبالؒ کی کماحقہٗ شرح و وضاحت نہیں کر سکا، بلکہ کلامِ اقبالؒ کی مفصل اور مکمل شرح ابھی اقبال پسندوں پر قرض ہے۔

☆ زیرِ نظر تالیف دراصل زیرِ ترتیب کتاب ''معارفِ کربلا'' کا ایک باب ہے، جو اس کی اہمیت کی وجہ سے الگ شائع کیا جا رہا ہے۔

☆☆ اہلِ بیتؓ اور کلامِ اقبالؒ کی جو خدمت اس تہی دامن سے بن پڑی، ایک ملفوظ اس بارے میں بھی نقل کرنا بے محل نہ ہوگا۔

فقیر حضرت سید نفیس الحسینی رحمہ اللہ تعالیٰ کی مجلس میں حاضر تھا اور زیرِ نظر تالیف سنا رہا تھا، ایک مقام پر پہنچے تو برجستہ فرمایا:

''یہ جذبۂ مودّت ہی تھا، جس نے اقبالؒ کو صاحبِ اقبال بنایا، آج اقبال زندہ ہوتے تو آپ کی اس خدمت سے خوش ہوتے۔''

یہ قصہ ہے ۱۸؍ربیع الاوّل ۱۴۲۸ھ/۷؍اپریل ۲۰۰۷ء عشأ کے بعد کا!

☆☆ یہاں مجھے ایک اور ہستی بھی یاد آ رہی ہے

- ○ جن سے مجھے مودّتِ اہلِ بیتؓ کی کرن ملی،
- ○ جنہوں نے اپنے پاکیزہ خط میں 'کلیاتِ اقبال' لکھ کر مجھے اقبالؒ سے روشناس کرایا
- ○ جو تادمِ آخر اپنے اسلاف کے طریق پر خدمتِ اسلام میں مصروف رہے،
- ○ جو اس مودّت اور خدمت کے صدقے بہ آوازِ بلند کلمۂ طیبہ پڑھتے ہوئے اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے،
- ○ اور جن کی دعائیں آج بھی میرے ساتھ رہتی ہیں!

میری مراد ہے والدِ محترم مولانا عبداللہ مسعودؒ

یہ ناچیز کاوش اُن کی روحِ طیبہ کے لیے ہدیۂ ثواب کرتا ہوں!

اللّٰھم اغفرلہٗ وارحمہٗ

۲۷؍رجب المرجب ۱۴۳۰ھ/۲۱؍جولائی ۲۰۰۹ء منگل — ظفر اللہ شفیق

فکرِ اقبالؒ

حکیم الاسلام ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ عصرِ حاضر کے نہ صرف عظیم شاعر، بلکہ ایک عظیم مفکر بھی ہیں۔ غور کیا جائے تو ذہنی ساخت کے اعتبار سے آپ ایک فلسفی، مفکر اور درویشِ خدا مست ہیں، جن کے حوصلہ افزا فلسفے، دوررس فکر اور باطنی سوز و گداز نے شعر کے پیرایے میں خوابیدہ قوم کو بیدار کیا، یاس کی تاریکیوں میں اجالا بخشا، جرأتِ عمل اور خود آگاہی و خودسازی کا شعور پیدا کیا۔

اقبال اعلیٰ اخلاقی اقدار کے شاعر، امتِ مسلمہ کے اتحاد کے داعی اور عملی و فکری استقلال کے نقیب تھے۔ اس لیے فطری طور پر وہ تمام شخصیات و واقعات، جو تکمیلِ اخلاق اور ترقیٔ اسلام کے سفر میں سنگِ میل ثابت ہوئے، آپ کی شاعری کا موضوع رہے، اور یہی وجہ ہے کہ آپ کے اشعار میں استعمال ہونے والی اکثر علامتیں اور استعارے اسلامی پس منظر رکھتے ہیں۔

اقبال جب صدیقؓ و فاروقؓ، عثمانؓ و علیؓ، خدیجہؓ و فاطمہؓ، حسنؓ و حسینؓ اور مکہ و مدینہ، بدر و حنین اور خیبر و کربلا کا ذکر کرتے ہیں تو اس سے محض ایک نام اور مقام مراد نہیں لیتے، بلکہ صداقت و عدالت، سخاوت و شجاعت، خدمت و محبت، ایثار و انکسار، استقامت و شہادت جیسی عظیم اخلاقی اقدار کے لیے بطور استعارہ ذکر کرتے ہیں۔

فکرِ اقبال میں ایسی پاکیزہ ہستیاں صرف امتِ مسلمہ ہی کی میراث نہیں، بلکہ بنی نوعِ انسان کے لیے سرمایۂ نازش ہیں، کیونکہ ان روشن کرداروں کا اجالا کسی

ایک طبقے یا خطے تک محدود نہیں رہا بلکہ اقوام عالم پر جگمگایا اور دنیا کو علمی و تہذیبی ترقی میں کئی قدم آگے بڑھایا۔ یہی عزم و استقامت کے پیکر تھے، جن کی مثالوں سے انسانی ضمیر نے خوف و ہراس اور حرص و طمع کی زنجیروں سے رہائی پائی، دنیا کے مظلوم و مقہور انسان استبدادی اور استکباری قوتوں سے پنجہ آزما ہوئے، عقل کی بھول بھلیوں میں درماندہ اذہان نے عشق کے زینے سے اپنی متاعِ گم گشتہ کا سراغ پایا، اس لیے یہ کردار صرف تاریخِ اسلام کی یادگار نہیں بلکہ عالمگیر انسانی اور اخلاقی اقدار سے عبارت ہیں۔

دینِ اسلام نے بنی آدم کو آفاقی نظریۂ حیات عطا کیا ہے، عصرِ حاضر میں اقبال نے اس نظریے کو اپنی فکر و نظر کا محور بنایا۔ اقبال کی خوبی یہ ہے کہ انہوں نے آفاقی نظریۂ حیات کی ان مجسم تعبیروں کو اپنے مخصوص اسلوب میں اعلیٰ آفاقی اقدار کے استعارے کے طور پر پیش کیا اور اس طرح انہیں دنیا بھر کے فکری سرمایے کا لازوال حصہ بنا دیا۔

زیرِ نظر تالیف میں اگرچہ ہمارا اصل موضوع امام حسینؓ اور آپؓ کی شہادت ہے، لیکن نفسیات کی مسلّمہ حقیقت ہے کہ بچہ اپنے ماحول کا عکاس اور ترجمان ہوتا ہے، سعید روحوں کو سعادت مند ماحول سیادت و سعادت کی بلندیوں تک پہنچاتا ہے۔

اس اصول کی روشنی میں سیدنا امام حسینؓ کی شخصیت اور شہادت کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ آپؓ کے گھوارے اور گھرانے کو سمجھا جائے اور پھر آپؓ کی زندگی اور جد و جہد کا مطالعہ کیا جائے۔

امام حسینؓ نے اولادِ آدمؑ کے بہترین گھرانے میں جنم لیا، محمد مصطفیٰؐ، علی مرتضیٰ اور فاطمہ زہرا، **علیہم السلام**، کی مقدس و مطہر آغوش میں تربیت پائی، اس لیے حسینؓ کی شخصیت کوئی علیحدہ شخصیت نہ تھی، بلکہ محمدی، علوی اور فاطمی انوار و برکات کا حسین آمیزہ تھی!

جہاں تک حضور سرورِ کائنات ﷺ کی ذاتِ قدسی صفات کا تعلق ہے،

آپؐ ہر بحث سے بالا و برتر ہیں، لیکن کچھ آزاد خیال قلموں اور احسان فراموش زبانوں نے سیدنا علیؓ اور سیدہ فاطمہ زہراؓ کی شخصیتوں کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔

تو آیئے! اقبالؒ کی نگاہ سے مقامِ حسینؓ سے پہلے، مقامِ علیؓ و فاطمہؓ دیکھتے ہیں تا کہ اس کی روشنی میں امام عالی مقامؓ کی شخصیت اور شہادت کا صحیح اندازہ کیا جا سکے۔

نشانِ خودی

امیر المؤمنین امام المتقین

سیدنا علی

کرم اللہ وجہہ

خودی فکرِ اقبالؒ کا مرکزی نقطہ ہے۔ اقبالؒ خودی کی اصطلاح...... جو اقبالؒ کی مخصوص اصطلاح ہے...... خود آگاہی، خودشناسی، خودسازی، خودداری، خود انضباطی اور خود اعتمادی کے مفہوم میں استعمال کرتے ہیں۔ اقبالؒ کی فکری جدوجہد کا محور یہ رہا کہ امت میں خودی کا شعور پیدا ہو جائے۔ مثنوی 'اسرارِ خودی' اس موضوع پر آپ کی بے مثال تصنیف ہے۔ اس میں آپ فرماتے ہیں:

نظامِ عالم کی بنیاد خودی ہے اور ہستی کے مختلف پیکروں کی زندگی اور اُن کا تسلسل اور ارتقا خودی کے استحکام پر منحصر ہے۔

اور خودی کی زندگی کا مقصد متعین کرنے اور پھر اس کے حصول کے لیے جستجو کرنے میں پوشیدہ ہے، جستجو اور جدوجہد رازِ حیات ہے۔

خودی عشقِ الٰہی اور محبتِ نبوی سے زندہ تر، پائندہ تر اور تابندہ تر ہوتی ہے اور غیر اللہ سے سوال، امید اور طمع سے خودی کمزور ہو جاتی ہے۔

خودی جب عشق و محبت سے مستحکم ہو جاتی ہے تو کائنات کی ظاہری اور باطنی

قوتیں اُس کے تابع ہو جاتی ہیں۔

خودی کی تربیت تین مراحل میں ہوتی ہے:

سب سے پہلے انسان اطاعت کا خوگر بنتا ہے۔

دوسرے مرحلے میں اپنے نفس پر کنٹرول کرنا سیکھتا ہے۔

تیسرے مرحلے میں نیابتِ الٰہی کا فریضہ انجام دیتا ہے۔

خودی کے اِن تین مراحل سے گزر کر ایک انسان انسانِ کامل بنتا ہے۔

خودی کی یہ تمام تفاصیل بیان کرنے کے بعد اقبالؒ ایک مضبوط، مستحکم، زندہ و پائندہ اور تربیت یافتہ خودی کے نمونۂ کامل کے طور پر سیدنا علی مرتضیٰؓ کا ذکر کرتے ہیں اور آپؓ کے "اسماءِ مبارکہ کے اسرار کی شرح" میں 'اسرارِ خودی' کھولتے ہیں۔

آخر ایسا کیوں نہ ہو؟

"**من عرف نفسہ عرف ربہ**" قول بھی تو سیدنا علیؓ کا ہی ہے!

اقبالؒ نے فلسفۂ خودی کی وضاحت کے لیے سیدنا علیؓ کی شخصیت کو غالباً اس لیے چنا کہ آپؓ میں علم، عمل اور عشق تینوں خوبیاں بیک وقت جمع ہو گئی تھیں۔

آئندہ صفحات میں مثنوی "اسرارِ خودی" سے نظم "اسرارِ اسمائے علی مرتضیٰؓ" ترجمہ و شرح کے ساتھ قارئین کی خدمت میں ہدیۂ مودّت ہے:

شرح اسرارِ اسمائے علی مرتضیٰؓ

منقبت

(۱) مسلمِ اول شہِ مرداں علیؓ
عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ

ترجمہ: ''پہلے مسلمان اور بہادروں کے سردار علیؓ ہیں، عشق کے لیے سرمایۂ ایمان علیؓ ہیں۔''

شرح: یعنی عشق مومن تب ہوگا، جب علیؓ کو مانے گا، اس لیے کہ جہانِ عشق کے فرمان روا اور راہِ عشق کے رہنما علیؓ ہیں۔ شب ہجرت امر نبی ﷺ سے بسترِ نبوت پر لیٹ جانا اور پھر سو جانا، ہر معرکے میں بے خوف وخطر کود جانا یہ سب عشق کے جلوے تھے۔

اور مسلم اول ہونے کے بارے میں مسند امام احمدؒ میں زیدؓ بن ارقم سے روایت ہے: ''رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سب سے پہلے علیؓ نے اسلام قبول کیا''۔ (مناقب: ۹)

ابن سعدؒ اور ذھبیؒ نے بھی یہی لکھا ہے کہ علیؓ نے دس، گیارہ سال کی عمر میں سب سے پہلے اسلام قبول کیا۔ (طبقات کبریٰ: ۳/۲۲۔۱۹، سیر اعلام النبلاء: ۱/۹۹)

رہی مردانگی، تو اس کے لیے صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ تاریخِ انسانی میں شجاعت وبسالت جب مجسم ہوتی ہے تو پیکرِ علیؓ بن جاتی ہے۔

نذرِ مودّت

(۲) از ولائے دودمانش زندہ ام
در جہاں مثلِ گہر تابندہ ام

ترجمہ: ''آپؓ کے خاندان والاشان کی محبت سے میں زندہ ہوں اور جہان میں موتی کی طرح تابندہ ہوں''۔

شرح: گویا اقبالؒ کے نزدیک روحانی حیات کے لیے آپؓ اور آپؓ کے خاندان کی محبت نہایت ضروری ہے اور اسی سے دنیا وآخرت میں آبرو ملتی ہے۔

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(ترجمہ) ''اللہ سے محبت کرو، اس لیے کہ وہ تمہیں کھانے کو نعمتیں دیتا ہے اور اللہ کی محبت کی وجہ سے مجھ سے محبت کرو اور میری محبت کی وجہ سے میرے اہل بیتؓ سے محبت کرو''۔ (مشکوۃ المصابیح: ۳/۵۷۳ عن الترمذی)

(۳) نرگسم، وارفتۂ نظّارہ ام
در خیابانش چو بُو آوارہ ام

ترجمہ: ''میں سراپا نرگس (آنکھ) بن کر آپؓ کے نظارۂ (جمال وکمال) میں مست ہوں اور آپؓ کے چمنِ (علم وفکر) میں خوشبو کی طرح سرگرداں ہوں''۔

شرح: نرگس مبہوت اور حیران نگاہ کے لیے استعارہ ہوتا ہے، یعنی سیدنا علیؓ کے جمال کی تابانی اور کمال کی رعنائی ایسی ہے کہ میری نگاہ انہی پر جم گئی ہے۔ دوسرے مصرعے میں اپنے آپ کو خوشبو کی طرح قرار دیا ہے، اور خوشبو کا خاص منبع ہوتا ہے، جس سے خوشبو پھوٹتی ہے، اور اس سے جدا نہیں ہو سکتی، تو خوشبوئے اقبال کا منبع

خیابانِ علیؓ ہے۔ پھر خیابانِ علیؓ سے اگر باغِ علم وحکمت مراد ہو...... جیسا کہ آئندہ شعر اس کا قرینہ ہے...... تو مقصد یہ ہے کہ میرے افکار کی خوشبو علیؓ کے علم و دانش کی مرہونِ منت ہے، اور اگر خیابانِ علیؓ سے گلشنِ ذرّیت مراد ہو...... جیسا کہ گزشتہ شعر اس کا قرینہ ہے...... تو مقصود یہ ہوگا کہ میری خوشبو اور میری آبرو دودمانِ علیؓ سے وابستہ ہے اور میرا دائرۂ حیات یہی گلشنِ نبوت ہے۔

(۴) زمزم ار جوشد ز خاکِ من از واست
مے اگر ریزد ز تاکِ من از وست

ترجمہ: ''اگر میری خاکِ (اشعار) سے زمزمِ (یقین وخودی) کا چشمہ ابل رہا ہے تو یہ اُنہی کا فیضِ کرم ہے اور اگر میری انگوری بیل سے شرابِ (معرفت) ٹپک رہی ہے تو یہ اُنہی کا صدقہ ہے''۔

شرح: اس شعر میں اپنی شاعری کی تاثیر کے لیے چشمۂ زمزم کی تلمیح نہایت خوب ہے، وہاں حضرتِ اسماعیلؑ کی ایڑیوں سے چشمہ پھوٹا تھا، یہاں حضرت علیؓ کی قدم بوسی سے زمزمِ خودی نصیب ہوا ہے۔ دوسرے مصرع میں تاک یعنی انگور کی بیل سے بھی مراد اشعار ہیں، جو شرابِ معرفت سے لبریز ہیں۔

(۵) خاکم و از مہرِ او آئینہ ام
می تواں دیدن نوا در سینہ ام

ترجمہ: ''میں خاک ہوں لیکن اُنؓ کی مودّت سے آئینہ بن گیا ہوں، اتنا شفاف کہ میرے سینے میں آوازِ (مودّت) دیکھی جاسکتی ہے''۔

شرح: میں اپنی اصل میں تو تاریک خاک ہوں اور نہایت حقیر ہوں، لیکن علیؓ کی مودّت نے ایسی جِلا بخشی ہے کہ مجھے آئینہ بنا دیا ہے اور اتنا شفاف آئینہ کہ دل کا

سوز و گداز اور مودّت کا اضطراب باہر سے دکھائی دیتا ہے، زبان پر لانے کی حاجت ہی نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ میں سراپا مودّت ہوں اور میری آب و تاب اسی نورِ مودّت سے ہے۔ خیال رہے کہ اظہارِ مودّت کا یہ ایک نادر استعارہ ہے۔

نگاہِ نبوت میں مقامِ علیؓ

(۶) از رخِ اُو فال پیغمبرؐ گرفت
ملّتِ حق از شکوہش فر گرفت

ترجمہ: ''رسول اکرم ﷺ نے آپؓ کے رخِ اکرم سے فال لی، ملّتِ اسلامیہ نے آپؓ کے شکوہ و دبدبہ سے شان پائی''۔

شرح: ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''فال وہ اچھی بات ہے، جو کوئی شخص (کسی موقعے پر) سن لے''۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ: ۳۹۱)

ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ''رسول اللہ ﷺ فال لیا کرتے تھے اور اچھا نام پسند فرماتے تھے''۔ (مشکوٰۃ: ۳۹۲)

سیدنا علیؓ سب سے پہلے ایمان لائے اور غزوات میں پیش پیش رہے، ان مواقع پر ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کے بارعب چہرے اور آپ کے نام ''علی'' سے علوِّ اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کی فال لی ہو! واللہ اعلم۔

امّ عطیہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لشکر بھیجا، جس میں علیؓ بھی تھے، فرماتی ہیں: میں نے (اس موقع پر) رسول اللہ ﷺ کو دونوں ہاتھ اٹھائے یہ دعا کرتے سنا: ''اے اللہ! مجھے موت نہ دینا، یہاں تک کہ مجھے (رُخِ) علی دکھادے۔'' (ترمذی، مشکوٰۃ: مناقبِ علیؓ)

سیدنا علیؓ کو اللہ تعالیٰ نے ایسا شکوہ و جلال اور ایسا رعب و کمال عطا فرمایا تھا

کہ اُن کی موجودگی سے اہلِ اسلام کے حوصلے بلند اور دشمنانِ اسلام کے حوصلے پست ہوجاتے تھے، آپؓ ملتِ اسلامیہ کی شان اور آبرو تھے۔

(۷) قوتِ دینِ مبیں فرمودہ اش

کائنات آئیں پذیر از دودہ اش

ترجمہ: ''نبی اکرم ﷺ نے آپؓ کو دینِ مبین کی قوت قرار دیا/ آپؓ کے ارشاد سے دینِ مبین کو قوت ملی، کائنات نے آپؓ کے خاندان سے (آئینِ اسلام کی) آرائش پائی''۔

شرح: ہر غزوے میں حضرت علیؓ کا وجود باعثِ قوت و فتح ہوتا تھا۔ غزوۂ خیبر میں جب فتح نہیں ہو رہی تھی، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا: ''میں یہ علم کل ایک ایسے شخص کو دوں گا، جس کے ہاتھوں پر اللہ فتح دے گا، جو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ اور اُس کا رسول اُس سے محبت رکھتے ہیں۔''

(متفق علیہ، مشکوٰۃ: مناقب علیؓ)

اور اگلے روز آپ ﷺ نے حضرتِ علیؓ کو علم عطا فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے فتح عطا فرمائی۔

اسی طرح امام حسنؓ سے روایت ہے کہ: ''رسول اللہ ﷺ آپؓ کو سریہ کے ساتھ بھیجتے تھے، جبریلؑ آپؓ کے دائیں اور میکائیلؑ آپؓ کے بائیں ہوتے تھے، جب تک فتح نہیں ہوتی تھی، آپؓ پلٹتے نہیں تھے''۔ (مسند احمد، مرقاۃ: ۱۱/۳۴۷)

پہلے مصرع کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ ہر دور میں آپؓ کی وقیع رائے اور پر فراست موقف سے دینِ حق کو استحکام ملا، حضرت عمرؓ نے یونہی تو نہیں فرمایا تھا: ''لَوْلَا عَلِیٌّ لَھَلَکَ عُمَر''

دوسرے مصرعے کا مقصود یہ ہے کہ آج کائنات میں آئینِ اسلام کا جو نور دکھائی دیتا ہے، یہ آپؓ اور آپؓ کے خاندان کی قربانیوں اور محنتوں کا ثمر ہے، ورنہ آج ہر طرف ظلمت چھائی ہوتی اور طاغوت کی حکومت ہوتی۔

ابوتراب، ید اللہ

(۸) مرسلِ حق کرد نامش بوتراب

حق ید اللہ خواند در امّ الکتاب

ترجمہ: ''رسولِ حق ﷺ نے آپؓ کو ''ابوتراب'' کے لقب سے سرفراز فرمایا اور اللہ تعالیٰ نے امّ الکتاب قرآن مجید میں آپؓ کو ''ید اللہ'' کا خطاب عطا فرمایا'' (ید اللہ: اللہ کا ہاتھ)

شرح: اس شعر میں سیدنا علیؓ کے دو القاب کا ذکر ہے:

(۱) ابوتراب (۲) ید اللہ

پہلے لقب کا پس منظر ایک واقعہ ہے، جو امام بخاریؒ نے سہل بن سعدؓ سے روایت کیا ہے، اُس کا حاصل یہ ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ دوپہر کے وقت سیدہ فاطمہؓ کے ہاں تشریف لائے، سیدنا علیؓ گھر میں نہیں تھے۔ تلاش کروایا تو پتا چلا کہ مسجد میں سو رہے ہیں، رسول اللہ ﷺ مسجد میں آ گئے، سیدنا علیؓ لیٹے ہوئے تھے، پہلو سے چادر گری ہوئی تھی اور جسم پر مٹی لگی ہوئی تھی۔ رسول اللہ ﷺ مٹی پونچھتے جاتے اور فرماتے جاتے تھے:

''اٹھو ابوتراب (مٹی والے)

اٹھو ابوتراب'' (صحیح بخاری: ۱/۶۳، باب نوم الرجل فی المسجد)

دوسرے لقب ید اللہ کے بارے میں واضح رہے کہ قرآن مجید میں کہیں

آپؐ کو صراحتاً یداللہ نہیں فرمایا گیا، البتہ بدر کے غازیوں سے فرمایا گیا ہے:

"فلم تقتلوھم ولکن اللہ قتلھم" (الانفال: ۱۷)

(ترجمہ) "تم نے انہیں (مشرکین کو) قتل نہیں کیا، بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا ہے"۔

اور بدر میں مشرکین سب سے زیادہ آپؓ کے ہاتھ سے قتل ہوئے۔

اسی طرح صلح حدیبیہ کے تذکرے میں فرمایا گیا: (ترجمہ) "یقیناً جو لوگ آپؐ سے بیعت کرتے ہیں، وہ دراصل اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اُن کے ہاتھوں کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے"۔ (الفتح: ۱۰)

گویا حضور ﷺ کا ہاتھ اللہ کا ہاتھ ہے، آپؐ کے ہاتھ پر بیعت اللہ سے بیعت ہے، اور حضرت علیؓ سے آپؐ نے فرمایا تھا: "تیرا گوشت میرا گوشت ہے"۔ اور یہ بھی فرمایا: "علی مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔" اِسی طرح عشق اور اتباع میں علیؓ فنافی الرسول تھے، اس اعتبار سے سیدنا علیؓ، لاریب، یداللہ ہیں۔

اِسی حقیقت کو اقبالؒ دوسرے مقام پر یوں بیان فرماتے ہیں:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مؤمن کا ہاتھ

اور کیا شک ہے کہ امیر المؤمنینؓ مؤمنِ کامل تھے!

ایک حدیث قدسی سے یہ مفہوم مزید واضح ہو جاتا ہے۔ ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "......اور میرا بندہ نفل عبادتوں کے ذریعے میرے قریب ہوتا چلا جاتا ہے، یہاں تک کہ میں اُس سے محبت کرنے لگتا ہوں، سو، جب میں اُسے محبوب بنالیتا ہوں تو اُس کا کان بن جاتا ہوں، جس سے وہ سنتا ہے اور اُس کی آنکھ، جس سے وہ دیکھتا ہے، اور اُس کا ہاتھ،

جس سے وہ پکڑتا ہے اور اُس کا پاؤں، جس سے وہ چلتا ہے، اگر وہ مجھ سے مانگے تو عطا کروں گا، اور اگر (کسی شر سے) میری پناہ چاہے، تو پناہ بخشوں گا۔"

(ریاض الصالحین: ۶۲ عن البخاریؒ)

تو جو تمام صحابہ کرامؓ میں شجاعت کے ساتھ عبادت میں شانِ امتیاز رکھتا ہو، یقیناً وہ یَدُ اللہ اور مَدَدُ اللہ ہے۔

اسماءِ علیؑ رموزِ زندگی ہیں

(۹) ہر کہ دانائے رموزِ زندگیست

سرّ اسمائے علیؑ داند کہ چیست

ترجمہ: "جو بھی زندگی کے رموز سے آگاہ ہے، وہ جانتا ہے کہ اسمائے علیؑ کا راز کیا ہے"۔

شرح: گویا اسمائے علیؓ دراصل اسرارِ حیات ہیں، جو شخص ان سے آگاہ ہو جائے، وہ کامیاب اور آبرومند زندگی کا راز پا جائے گا۔

جسمِ مادّی کے مکائد

(۱۰) خاکِ تاریکے کہ نامِ اُو تن است

عقل از بیدادِ اُو در شیون است

ترجمہ: "وہ سیاہ خاک جس کا نام 'بدن' ہے، عقل اس کے ستم سے محوِ نالہ وفریاد ہے"۔

شرح: خاکِ تاریک سے مراد مادّی جسم ہے، جو ہوا و ہوس کا منبع ہے، نفسِ امارہ اسی جسمِ خاکی کے بے جا تقاضوں سے وجود پاتا ہے اور جب انسان اس کی ناجائز خواہشوں کو پورا کرنے لگے، تو عقل و فکر جواب دے جاتی ہے، اور ایک دانا و بینا آدمی

اندھا، بہرہ ہو جاتا ہے...... ان اشعار میں نفسِ امارہ کی انہی تباہ کاریوں کو بیان کیا گیا ہے۔

(۱۱) فکرِ گردوں رس زمیں پیما ازو
چشم کور و گوش ناشنوا ازو

ترجمہ: ''اسی کی وجہ سے آسمان کی بلندیوں کو چھونے والی فکر زمین ناپنے لگتی ہے اور اسی کی وجہ سے آنکھیں اندھی اور کان بہرے ہو جاتے ہیں''۔

شرح: نفسِ امارہ کی اطاعت سے بلند خیالات پست اور گھٹیا ہو جاتے ہیں، اور انسان بُرے بھلے کی تمیز کھو دیتا ہے۔

(۱۲) از ہوس تیغِ دورُو دارد بدست
رہرواں را دل بریں رہزن شکست

ترجمہ: ''یہ بدن ہوس کی دودھاری تلوار ہاتھ میں رکھتا ہے، سالکین کے دل اِسی رہزن پر ٹوٹ جاتے ہیں/اسی رہزن سے شکست کھا جاتے ہیں''۔

شرح: نفسِ امارہ کی چالیں نہایت باریک اور مہلک ہوتی ہیں، یہ تلوار کی طرح ہے اور تلوار بھی دودھار، جو ہر طرف سے وار کرتی ہے۔ راہِ سلوک کے راہی اسی بدن کے محاسن پر فریفتہ ہو کر دل ہار جاتے ہیں اور منزل کھوٹی کر لیتے ہیں، گویا نفسِ امارہ تلوار بدست رہزن ہے، جس سے ہر لحظہ چوکنا رہنے کی ضرورت ہے۔

سیدنا علیؓ ابوتراب کیسے بنے؟

(۱۳) شیرِ حق ایں خاک را تسخیر کرد
ایں گِلِ تاریک را اکسیر کرد

ترجمہ: ''شیرِ خدا علی مرتضیٰؓ نے اس بدن کو مسخر کر لیا اور اس سیاہ مٹی کو اکسیر بنا لیا''۔

شرح: علی مرتضیٰؓ نے نفسِ امارہ قابو میں کر لیا، اور جب نفسِ امارہ قابو میں آ جائے تو پھر اکسیر اور کیمیا ہے۔

(۱۴) مرتضیٰ کز تیغِ او حق روشن است
بو تراب از فتحِ اقلیمِ تن است

ترجمہ: ''علی مرتضیٰؓ جن کی تلوار سے دنیا میں دینِ حق روشن ہے، آپؓ 'ابوتراب' ملکِ 'بدن' کی فتح سے بنے ہیں''۔

شرح: سیدنا علیؓ کے عظیم کارنامے دراصل اقلیمِ تن کو فتح کرنے اور نفسِ امارہ پر قابو پانے سے وجود میں آئے۔

رسول اللہ ﷺ نے ابوتراب لقب اگرچہ ایک خاص موقعے پر ارشاد فرمایا تھا، جس کا ذکر گزشتہ سطور میں آ چکا ہے، لیکن خیر الانام کا کلام بلاغت نظام ہوتا تھا، ایسا لقب عطا فرمایا، جو علیؓ کی پوری زندگی اور مزاج کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے، سیدنا علیؓ شاید اسی لیے اس لقب کے ساتھ پکارے جانے کو پسند فرماتے تھے۔

(مرقاۃ:۱۱/۳۳۵)

ابو تراب کا یہ مفہوم اقبال کی ندرتِ فکر ہے۔

کرّار اور کرّاری

(۱۵) مرد کشور گیر از کرّاری است
گوہرش را آبرو خود داری است

ترجمہ: ''کرّاری سے ایک دلیر مرد فاتح بنتا ہے اور اس کے جوہرِ باطن کو آبرو خودداری سے ملتی ہے''۔

شرح: اس شعر میں سیدنا علیؓ کے لقب ''کرّار'' کا راز کھولا گیا ہے۔ کرّار

کا معنی ہے: ''پلٹ پلٹ کر حملہ کرنے والا، بھگا دینے والا، حضرت علیؓ کا لقب کرّار اس لیے قرار پایا کہ آپ اپنی توانائی اور شجاعت کے سبب جس پر حملہ کرتے، اُسے نوک دُم اس طرح بھگا دیتے، جیسے شیر اپنی آواز کے ساتھ چوپاؤں اور درندوں کو بھگا دیتا ہے۔'' (فرہنگِ آصفیہ)

کرّاری سے مراد ہے بلند ہمتی، جہدِ مسلسل اور عملِ پیہم، یعنی عزّتِ نفس اور کردار کے تحفظ کے لیے اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے ہمت اور استقامت کے ساتھ جہادِ مسلسل کرنا اور طاغوت کی سرکوبی کرنا۔ یہی وصفِ کرّاری ہے، جس سے فتوح کا دروازہ کھلتا ہے اور جہان مسخر ہوتا ہے۔ دوسرے مصرع میں بتایا کہ کرّاری کی بنا خود داری ہے، کرّاری کا جوہر اُسے نصیب ہوتا ہے، جس میں خودی اور خودداری ہو، جو طاغوت سے سمجھوتہ کرلے اور اپنے وقار اور کردار کا سودا کرلے، وہ کرّار نہیں ہوسکتا۔

دوسرے مقام پر اقبالؒ غالباً اسی لقب کی روشنی میں فرماتے ہیں:

''جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا
لہو گرم رکھنے کا ہے اِک بہانہ''

صلۂ بوترابی

(۱۶) ہر کہ در آفاق گردد بوتراب
باز گرداند ز مغرب آفتاب

ترجمہ: ''جو بھی کائنات میں 'ابوتراب' بن جاتا ہے، وہ آفتاب کو مغرب سے لوٹانے کی طاقت پالیتا ہے''۔

شرح: مقصد یہ ہے کہ اپنے بدن کو فتح کرنے، اپنے نفس پر کنٹرول حاصل

کرنے اور اپنے اندر خودی پیدا کرنے سے انسان ایسی روحانی قوتوں کا مالک بن جاتا ہے کہ کائناتی قوتیں اُس کے تابع فرمان ہوجاتی ہیں۔

اس شعر میں ایک واقعے کی طرف اشارہ ہے۔ اسماءؓ بنت عمیس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عصر کی نماز پڑھ کر علیؓ کو بلایا (کچھ گفتگو فرمائی) پھر اپنا سر علیؓ کی گود میں رکھ دیا، (آپ ﷺ کی آنکھ لگ گئی، اور علیؓ نے ابھی عصر کی نماز نہیں پڑھی تھی) لیکن انہوں نے آپ ﷺ کو ہلانا گوارا نہیں کیا، یہاں تک کہ سورج ڈوب گیا۔

اس پر رسول اللہ ﷺ نے دعا کی:

''اے اللہ! یہ (علی) تیری طاعت میں اور تیرے رسول کی طاعت میں مگن تھا، سو سورج اِس پر لوٹا دے''۔

اسماءؓ کہتی ہیں: میں نے خود دیکھا کہ سُورج غروب ہوچکا تھا، پھر میں نے خود دیکھا کہ غروب ہونے کے بعد سُورج نکل آیا''۔

اور طبرانی کی روایت میں یوں ہے:

''پھر سورج آپؓ پر طلوع ہوا، یہاں تک کہ پہاڑوں پر اور زمین پر ٹھہر گیا (یعنی اتنا پلٹ آیا کہ اُس کی دھوپ پہاڑوں اور زمین پر پھیل گئی، یہی نمازِ عصر کا وقت ہوتا ہے) علیؓ اٹھے، وضو کیا اور نمازِ عصر ادا کی، پھر سورج غروب ہوگیا۔ یہ واقعہ (خیبر سے ایک منزل کے مسافت پر) صہباء میں پیش آیا''۔

(الصواعق المحرقہ: ۱۲۸، الخصائص الکبریٰ: ۲/۳۲۴)

اس واقعہ میں سورج رسول اللہ ﷺ کی دعا سے اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے لوٹا، لیکن چونکہ سیدنا علیؓ کے لیے لوٹا، اس لیے شعر میں لوٹانے کی نسبت علیؓ کی طرف کی گئی ہے۔

گزشتہ صفحات میں حدیثِ قدسی گزر چکی ہے کہ جب کوئی اللہ کا محبوب ہو

جاتا ہے تو اُس کی مراد پوری کی جاتی ہے!

(۱۷) ہر کہ زیں بر مرکبِ تن تنگ بست
چوں نگیں بر خاتمِ دولت نشست

ترجمہ: ''جس نے تن بدن کی سواری پر کس کر زین باندھ لی، وہ حکومت کی مہر پر نگینے کی طرح جم گیا/فٹ ہوگیا''۔

شرح: یہ مادّی جسم اور نفس امارہ اگرچہ بہت مہلک ہے، لیکن اگر کوئی اس پر قابو پالے، تو یہ سواری بہت کارآمد بھی ہے، اس پر سوار ہو کر انسان وصول الی اللہ کا سفر بہت تیزی سے طے کر سکتا ہے، پھر وہ مقام بھی آتا ہے کہ حاکم مطلق کا نگینہ یعنی بندۂ خاص بن جاتا ہے کہ تدبیرِ امور اور احکام کا نفاذ اُس کے ذریعے ہوتا ہے، گویا وہ ''فَالْمُدَبِّرَاتِ أَمْرًا'' (النازعات:۵) میں داخل ہو جاتا ہے!

(۱۸) زیرِ پاش اینجا شکوہِ خیبر است
دستِ اُو آنجا قسیمِ کوثر است

ترجمہ: ''اِس دنیا میں خیبر کا شکوہ وجلال اُس کے پاؤں تلے ہوتا ہے اور آخرت میں اُس کا ہاتھ قاسمِ کوثر ہوتا ہے''۔

شرح: خیبر مدینہ طیبہ کے شمال مشرق میں ستر (۷۰) میل کی مسافت پر یہود کا ایک مضبوط گڑھ تھا، فوجی، اقتصادی اور جغرافیائی اعتبار سے نہایت اہم، سیدنا علیؓ کی نادرۂ روزگار شجاعت سے فتح ہوا۔ (المرتضیٰؓ:۷۸)

یہاں یہ حقیقت بھی ملحوظِ خاطر رہے کہ اگر علیؓ کی تلوار خیبر سر نہ کرتی تو مکہ فتح نہیں ہو سکتا تھا اور فتح مکہ کے بغیر عرب میں اسلام کی اشاعت ناممکن تھی، اس کا مطلب یہ ہے کہ دنیائے اسلام قیامت تک ضربتِ علیؓ کے احسان سے سبکدوش نہیں ہو سکتی!

دوسرے مصرعے میں کوثر سے حوضِ کوثر مراد ہے، روزِ قیامت یہ حوض رسول اللہ ﷺ کو عطا ہوگا، نہایت طویل وعریض، دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ شیریں اور مشک سے زیادہ خوشبودار اور جو ایک مرتبہ اس کا پانی پی لے گا، اُسے محشر کی شدید گرمی میں پیاس نہیں لگے گی۔ آبِ کوثر آپؐ صرف اپنوں کو پلائیں گے۔

(مرقاۃ: ۱۰/۲۷۴)

اور ظاہر ہے کہ جو اصحابؓ اِس دنیا میں دین کی اشاعت میں آپؐ کے معاون رہے..... سیدنا علیؓ اُن میں سرفہرست ہیں..... وہ وہاں بھی آبِ کوثر کی تقسیم میں آپؐ کے معاون ہوں گے۔ یہ ابوترابی کا دنیوی اور اخروی صلہ ہے۔

یداللّٰہی کرشمۂ خود آگاہی ہے

(۱۹) از خود آگاہی یداللّٰہی کند
از یداللّٰہی شہنشاہی کند

ترجمہ: ''وہ خود آگاہی کی قوت سے خدائی ہاتھ بن جاتا ہے اور خدائی ہاتھ کی قوت سے دنیا پر حکومت کرتا ہے''۔

شرح: اس شعر میں فلسفۂ خودی کی وضاحت کے لیے سیدنا علیؓ کے لقب یداللہ کا راز اور اس کا اثر بیان ہوا ہے۔ سیدنا علیؓ کو ''یَدُ اللہ'' ہونے کا شرف خود آگاہی سے حاصل ہوا، آپؓ فرماتے ہیں: ''مَنْ عَرَفَ نَفْسَهُ عَرَفَ رَبَّهُ'' اور خود آگاہی سے مراد ہے اپنے دائرۂ امکان اور اپنی باطنی قوتوں سے آگاہی، اور یہ آگاہی خودی سے حاصل ہوتی ہے، جب انسان احساسِ خودی سے سرشار ہو کر اپنی قوتوں اور اپنی صلاحیتوں سے آگاہ ہوتا ہے، تو اسے یَدُاللّٰہی یعنی خدائی ہاتھ ہونے کی قوت عطا ہوتی ہے، اور یَدُاللّٰہی کی مدد سے وہ کائنات پر راج کرتا ہے، ہر چیز اس کے لیے مسخر ہوتی چلی جاتی ہے۔

درحقیقت اس شعر میں سیدنا علیؓ کی شخصیت اور لقب کے حوالے سے شکستہ دل اور پریشان حال مسلم کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے کہ:

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی

یہاں اسی مفہوم کے لیے اقبال کا یہ شعر نئی توانائی بخشتا ہے:

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مؤمن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کارساز

خود آ گاہی کلیدِ علوم وفتوح ہے

(۲۰) ذاتِ اُو دروازۂ شہرِ علوم
زیرِ فرمانش حجاز و چین و روم

ترجمہ: ''اُس کی ذات شہرِ علوم کا دروازہ بن جاتی ہے اور حجاز، چین اور روم اُس کے زیرِ فرمان ہوجاتے ہیں''۔

شرح: خود آ گاہی ایسی سعادت ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ حکمت اور حکومت دونوں نعمتیں عطا فرماتا ہے۔

پہلے مصرعے میں ایک حدیث کی طرف اشارہ ہے، جو خود سیدنا علیؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''أنا دار الحكمة وعلي بابها''

''میں حکمت اور دانش کا گھر ہوں اور علی اُس کا دَر ہے'' (سنن ترمذی ۲/۲۹۹)

اور ایک روایت میں یوں فرمایا:

''أنا مدينة العلم وعلي بابها''

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اُس کا در ہے۔'' (المستدرک ۳/۱۲۶)

اِس حدیث کی ایک روایت میں یہ اضافہ بھی ہے:

''فمن أراد العلم فليأته من بابه''

''تو جو علم کا ارادہ کرے اُسے چاہیے کہ درِ علم سے آئے۔'' (مرقاۃ: ۱۱/۳۴۵)

دوسرے مصرعے میں آپؓ کے دائرۂ خلافت کی وسعت کو ظاہر کیا گیا ہے۔

''سیدنا عثمانؓ کے دورِ خلافت میں ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی اور ایران کے متصلہ ملکوں میں افغانستان، خراسان اور ترکستان کا ایک حصہ زیرِ نگیں ہوا، دوسری سمت آرمینیا اور آذربائیجان مفتوح ہوکر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی، اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں شامل کرلیا گیا۔ جزیرۂ قبرص (سائپرس) پر اسلامی جھنڈا لہرایا۔ افریقہ میں طرابلس، برقہ اور مراکش مفتوح ہوئے۔'' (خلفائے راشدینؓ: ۲۴۱)

روم، شام، مصر، الجزائر عہد فاروقی میں فتح ہوچکے تھے۔ (خلفائے راشدینؓ: ۲۴۰)

سیدنا علیؓ کے دور خلافت میں یہ ممالک تو اسلامی ریاست میں شامل رہے ہی، ''اندرونی شورشوں کے باوجود آپؓ نے سیستان اور کابل کی سمت میں جو بعض عرب خود مختار ہوگئے تھے، اُن کو قابو میں کر کے آگے قدم بڑھایا اور ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستے سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی، اُس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا، مسلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اِسی عہد میں کوکن پر حملہ کیا'' (خلفائے راشدینؓ: ۳۲۱)

اس تفصیل سے یہ بھی واضح ہوا کہ شعر میں جس چین کا ذکر ہے، اِس سے موجودہ پورا چین نہیں، بلکہ اس کے کچھ حصے مراد ہیں۔ اور شعر کا اصل مقصود یہ ہے کہ خود آ گاہی سے علوم وفتوح کے دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔

اسماءِ علیؑ کے دروس

(۲۱) حکمران باید شدن بر خاکِ خویش

تا مۓ روشن خوری از تاکِ خویش

ترجمہ: "تجھے اپنے بدن اور نفس پر حکمران ہونا چاہیے تاکہ اپنی انگوری بیل (استعداد و صلاحیت) سے (معرفت کی) شرابِ ناب پی سکے"۔

(۲۲) خاک گشتن مذہبِ پروانگی است

خاک را اَب شو کہ ایں مردانگی است

ترجمہ: "سراسر خاک ہوجانا پروانگی مذہب ہے (تُو تو مرد ہے) تُو خاک کا باپ (ابوتراب) بن (اپنے بدن پر غالب آ) کہ مردانگی یہی ہے"۔

شرح: اس میں بعض اُن صوفیہ کے اندازِ فکر پر تنقید ہے جو تواضع اور خاکساری جیسے اعلیٰ خُلق کا گھٹیا اور بے محل استعمال کرتے ہیں۔ امام المتقین سیدنا علیؓ کا مسلک و مذہب قبولِ ذلت نہیں تھا، وہ خودشناس اور خوددار تھے۔

(۲۳) سنگ شو اے ہمچو گل نازک بدن

تا شوی بنیادِ دیوارِ چمن

ترجمہ: "اے پھول کی طرح نازک بدن! پتھر بن، تاکہ تو دیوارِ چمن کی بنیاد بن سکے"۔

یعنی تن آسانی چھوڑ، سیدنا علیؓ کی طرح جفاکشی اور بہادری کی زندگی اپنا۔

(۲۴) از گلِ خود آدمے تعمیر کن

آدمے را عالمے تعمیر کن

ترجمہ: "(ابوتراب بن کر) تو اپنے مٹی (تراب) سے ایک نیا انسان بنا پھر اُس انسان کے لیے ایک نیا جہان بنا"۔

شرح: پہلے اپنے اندر روحانی انقلاب برپا کرو پھر اپنے باہر کی دنیا کو اُس انقلاب کے لیے سازگار بناؤ، اور اگر زمانہ باتو نسازد تو بہ زمانہ ستیز۔

(۲۵) گر بنا سازی نہ دیوار و درے

خشت از خاکِ تو بندد دیگرے

ترجمہ: "اگر تُو (اپنی خاک سے اپنے) در و دیوار تعمیر نہیں کرے گا (خود آگاہ نہ ہوگا) تو کوئی اور تیری خاک سے اینٹ بنالے گا (اور اپنی عمارت میں استعمال کرلے گا)"۔

شرح: اے مسلم! اگر تو اپنی قومی بقا اور حفاظت کا سامان نہیں کرے گا تو کوئی دوسری قوم تجھے اپنا غلام اور دست نگر بنالے گی۔

(۲۶) اے ز جورِ چرخِ ناہنجار تنگ

جامِ تو فریادیٔ بیدادِ سنگ

ترجمہ: "تو جو کج رو آسمان کے جور و جفا سے تنگ ہے اور تیرا جام ظالم پتھر کا فریادی بنا ہوا ہے"۔

شرح: کج رو آسمان سے قسمت اور تقدیر، جام سے ایّام، ظالم پتھر سے ستم شعار دشمن مراد ہے۔ یعنی اے مسلم تو قسمت کی خرابی کا رونا روتا رہتا ہے اور اپنی بے عملی اور کوتاہی تقدیر کے سر مڑھ دیتا ہے اور تیرا جام یہی شکایت کرتا رہتا ہے کہ جب

بھی لبریز ہوتا ہوں، دشمن اُسے توڑ دیتا ہے، روزگار جونہی سازگار ہونے لگتا ہے، سازشیں اُسے بگاڑ دیتی ہیں، حالات تلپٹ ہو جاتے ہیں۔

(۲۷) نالہ و فریاد و ماتم تا کجا
سینہ کوبیہائے پیہم تا کجا

ترجمہ: ''تو کب تک نالہ و فریاد اور ماتم میں مصروف رہے گا اور کب تک پیہم سینہ کوبیاں کرتا رہے گا''۔

شرح: رونا پیٹنا چھوڑ، ہاتھ بڑھا، قدم اٹھا اور میدانِ عمل میں کود جا اور اپنی تقدیر خود بنا۔ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

''عبث ہے شکوۂ تقدیرِ یزداں
تو خود تقدیرِ یزداں کیوں نہیں ہے؟''

اور یہ بھی فرمایا:

خودی کو کر بلند اتنا کہ ہر تقدیر سے پہلے
خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے؟

(۲۸) در عمل پوشیدہ مضمونِ حیات
لذتِ تخلیق قانونِ حیات

ترجمہ: ''زندگی کی حقیقت عمل میں پوشیدہ ہے اور لذتِ تخلیق ہی زندگی کا قانون ہے''۔

شرح: گویا بے کار اور لذتِ تخلیق سے نا آشنا زندہ ہی نہیں۔ زندگی بلکہ لطف زندگی یہ ہے کہ نت نئے اعلیٰ مقاصد پیدا کر کے اُن کے حصول میں پیہم سعی کی جائے، اس سے بڑھ کر اقبالؒ کے نزدیک لذتِ تخلیق اسلامی حیات کا معیار ہے یعنی جس مسلمان کے دل میں نئی دنیا پیدا کرنے کی آرزو نہ ہو، وہ مسلمان ہی نہیں ہے۔ چنانچہ 'جاوید نامہ' میں بزبانِ خداوندی یوں فرماتے ہیں:

ہر کہ اُو را قوتِ تخلیق نیست
نزدِ ما جز کافر و زندیق نیست

(۲۹) خیز و خلاقِ جہانِ تازہ شو
شعلہ در برکن خلیلؑ آوازہ شو

ترجمہ: ''اٹھ اور ایک نیا جہان پیدا کر، اپنے پہلو میں شعلۂ (عشق) بھڑکا اور ابراہیم خلیلؑ اللہ کی شہرت پا''۔

شرح: 'شعلہ در برکن: اپنے پہلو/بدن میں شعلہ/آگ بھڑکا، یعنی خون کی حرارت اور گرمیٔ عزم کے ساتھ عمل میں مصروف ہو جا۔

جب اندر عشق کی آگ بھڑک رہی ہو تو باہر کی آگ ٹھنڈی ہو جاتی ہے، جیسے ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کے عشق میں طاغوتی نظام سے ٹکر لی، تو اللہ تعالیٰ نے طاغوتی آگ اُن کے لیے ٹھنڈی فرما دی، اسی طرح مسلم کو چاہیے کہ اپنا دل عشق سے معمور کرے، عزم و ہمت کے ساتھ کھڑا ہو، عصرِ حاضر کے طاغوت سے ٹکرائے اور اک نئی دنیا آباد کرے۔

(آئندہ اشعار پڑھتے ہوئے سیرتِ علیؑ ذہن میں رکھیے۔)

(۳۰) با جہانِ نامساعد ساختن
ہست درمیداں سپر انداختن

ترجمہ: ''ناموافق ماحول کے ساتھ موافقت کر لینا، میدانِ جنگ میں ہتھیار ڈال دینا ہے''۔

(۳۱) مردِ خود دارے کہ باشد پختہ کار
با مزاجِ اُو بسازد روزگار

ترجمہ: ''جو مردِ خود دار اپنی دُھن کا پکا ہو، زمانہ خود اُس کے مزاج سے موافقت پیدا کرتا ہے''۔

(۳۲) گر نہ سازد با مزاجِ اُو جہاں

می شود جنگ آزما با آسماں

ترجمہ: ''اگر زمانہ اس کے مزاج سے موافقت نہ کرے تو وہ آسمان سے بھی جنگ آزما ہو جاتا ہے''۔

(۳۳) برکند بنیادِ موجودات را

می دہد ترکیبِ نو ذرّات را

ترجمہ: ''وہ کائنات کی بنیاد کھود ڈالتا ہے اور ذرّات کو نئی شکل عطا کرتا ہے''۔

(۳۴) گردشِ ایام را برہم زند

چرخِ نیلی فام را برہم زند

ترجمہ: ''وہ زمانے کی گردش اور نیلگوں آسمان کو درہم برہم کر دیتا ہے''۔

(۳۵) می کند از قوتِ خود آشکار

روزگارِ نو کہ باشد سازگار

ترجمہ: ''وہ اپنی قوت سے ایک ایسا نیا زمانہ پیدا کرتا ہے، جو اُس کے مزاج سے موافقت رکھے''۔

شرح: گزشتہ چھ اشعار کا حاصل یہ ہے کہ مومن کبھی طاغوتی نظام سے سمجھوتہ نہیں کرتا، وہ زمانے کے رنگ میں نہیں ڈھلتا، زمانے کو اپنے رنگ میں ڈھالتا ہے۔ اس انقلاب کے لیے اسے کتنی ہی بڑی قوت سے ٹکر لینی پڑے، وہ ٹکرا جاتا ہے۔

(۳۶) در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست

ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

ترجمہ: ''اگر دنیا میں مردانہ وار نہ جی سکو تو پھر مردوں کی طرح جان دینا زندگی ہے''۔

شرح: مسلمان کی زندگی کی دو ہی صورتیں ہیں، فتح حاصل کر کے دینِ اسلام کے مطابق زندگی بسر کرے یا فتح کی کوشش میں شہادت کا مرتبہ حاصل کر لے، جیسے امام حسینؓ نے جان قربان کی اور زندۂ جاوید ہو گئے۔ مؤمن غازی ہوتا ہے یا شہید:

دنیا میں ٹھکانے دو ہی تو ہیں آزاد منش انسانوں کے

یا تختہ جگہ آزادی کی یا تخت مقام آزادوں کا

تیسری صورت یعنی غلامی اور محکومی کی زندگی ایک مسلم کے لیے حرام ہے، اسی لیے قرآن مجید کہیں آدابِ غلامی نہیں سکھاتا۔

(۳۷) آزماید صاحبِ قلبِ سلیم

زورِ خود را از مہمّاتِ عظیم

ترجمہ: ''جس کے پاس قلبِ سلیم ہو، وہ بڑی بڑی مشکلات سے پنجہ آزما ہو کر اپنی قوت پرکھتا ہے''۔

شرح: قلبِ سلیم وہ قلب ہے جو توحیدِ حقیقی یعنی صرف اللہ کی محبت سے لبریز ہو، جیسے ابراہیم علیہ السلام کا دل تھا۔

(۳۸) عشق با دشوار ورزیدن خوش است

چوں خلیلؑ از شعلہ گُل چیدن خوش است

ترجمہ: ''دشواریوں سے عشق کرنا خوب ہے، ابراہیم خلیلؑ اللہ کی طرح شعلوں سے پھول چننا خوب ہے''۔

شرح: ابراہیم نے اللہ تعالیٰ کی خلت میں آگ میں گرنا گوارا کیا تو اللہ تعالیٰ نے حکم دے دیا: (ترجمہ) ''اے آگ! ابراہیم پر ٹھنڈک اور سلامتی ہو جا''۔ (الانبیاء: ۶۹)

اور:

آج بھی ہو جو براہیم کا ایماں پیدا

آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

(۳۹) ممکناتِ قوتِ مردانِ کار

گردد از مشکل پسندی آشکار

ترجمہ: ''مردانِ کار کی قوت کا دائرۂ امکانات مشکل پسندی سے ہی آشکار ہوتا ہے''۔

شرح: مرد کے جوہر میدان میں اترنے سے کھلتے ہیں، اس لیے مشکلات سے گھبرانا بزدلی ہے۔

(۴۰) حربۂ دوں ہمتاں کین است و بس

زندگی را ایں یک آئین است و بس

ترجمہ: ''کمینوں کا ہتھیار صرف کینہ ہوتا ہے اور اُن کی زندگی کا یہی ایک دستور ہوتا ہے''۔

شرح: پست ہمت لوگ خود تو قدم نہیں اٹھا سکتے، اور جو اہل عزیمت ہوں، ان کو برداشت بھی نہیں کرتے، ان سے کینہ پالتے رہتے ہیں اور حسد کی آگ میں جلتے رہتے ہیں، اسی میں عمر فنا ہو جاتی ہے، تو ایک مؤمن کو کینہ ور نہیں، عالی ہمت ہونا چاہیے۔

(۴۱) زندگانی قوتِ پیداستے

اصلِ او از ذوقِ استیلاستے

ترجمہ: ''زندگی پیدا ہونے اور آشکارا ہونے کی قوت کا نام ہے اور اس (قوت) کی بنیاد چھا جانے اور غلبہ پا لینے کے ذوق سے فراہم ہوتی ہے''۔

(۴۲) عفوِ بیجا سردئ خونِ حیات

سکتۂ در بیتِ موزونِ حیات

ترجمہ: ''بے جا درگزر ظاہر کرتا ہے کہ زندگی کا خون سرد ہو چکا ہے، ایسا طرزِ عمل زندگی کے موزون بیت میں سکتے کی مانند ہے''۔

شرح: جیسے شعر میں سکتہ آ جائے تو وزن باقی نہیں رہتا، اسی طرح بے جا درگزر، جو فکری سکتہ کی مانند ہے، بھی نظامِ ہستی کو غیر موزوں کر دیتا ہے۔

(۴۳) ہر کہ در قعرِ مذلت ماندہ است

ناتوانی را قناعت خواندہ است

ترجمہ: ''جو شخص ذلت کی گہرائیوں میں رہنے کا عادی ہو جائے، وہ ناتوانی کا نام قناعت رکھ لیتا ہے''۔

(۴۴) ناتوانی زندگی را رہزن است
بطنش از خوف و دروغ آبستن است

ترجمہ: ''ناتوانی زندگی کے لیے راہزن ہے، اس کا پیٹ خوف اور جھوٹ سے بوجھل ہوتا ہے''۔

شرح: ناتواں آدمی زندگی کی آبرو لٹا بیٹھتا ہے، خوف میں مبتلا رہتا ہے اور جھوٹ بولتا ہے۔

(۴۵) از مکارم اندرونِ او تہی است
شیرش از بہر ذمائم فربہی است

ترجمہ: ''اس (ناتوانی) کا باطن اعلیٰ اخلاقی اوصاف سے خالی ہوتا ہے اور اس کے دودھ سے گھٹیا اخلاق توانا اور فربہ ہوتے ہیں''۔

شرح: گزشتہ پانچ اشعار کا حاصل یہ ہے کہ زندگی اس قوت کا نام ہے جو ظاہر ہو، جس کو دنیا کے لوگ محسوس کر سکیں، اور اس کی اصل اور بنیاد ذوقِ استیلا ہے یعنی غالب آنے کی خواہش، ہر انسان میں استیلا کا جذبہ فطری طور پر موجود ہوتا ہے ،لیکن جو شخص پست ہمت، بزدل اور ناتواں ہوتا ہے، وہ اپنی ناتوانی اور بزدلی کو عفو اور قناعت کے پردوں میں چھپا دیتا ہے، اور اس طرح اپنے آپ کو اس فریب میں مبتلا رکھتا ہے کہ میں مہاتما ہو گیا ہوں۔

مسلمانو! یاد رکھو ناتوانی زندگی کے حق میں رہزن کی طرح ہے، اور اس سے دو بڑے عیب انسان میں پیدا ہو جاتے ہیں، ایک خوف، دوسرا دروغ گوئی، اور وہ اعلیٰ انسانی اوصاف سے محروم ہو جاتا ہے، اس لیے مؤمن کو ناتوانی اور بے چارگی اور بے عملی کی زندگی سے بچنا ضروری ہے۔

(۴۶) ہوشیار! اے صاحبِ عقلِ سلیم
در کمینہا می نشیند ایں غنیم

ترجمہ: ''اے عقلِ سلیم رکھنے والے! (اس رہزن کے حملے سے) ہوشیار رہ، یہ دشمن مختلف طرح کی گھاتوں میں بیٹھتا ہے''۔

(۴۷) گر خردمندی فریبِ اُو مخور
مثلِ حربا ہر زماں رنگش دگر

ترجمہ: ''اگر تو عقلمند ہے تو اس کے فریب میں مت آنا، یہ دشمن ہر لحظہ گرگٹ کی طرح رنگ بدلتا ہے''۔

(۴۸) شکلِ اُو اہلِ نظر نشناختند
پردہ ہا برروے اُو انداختند

ترجمہ: ''اہلِ نظر بھی اس کی شکل نہیں پہچان پاتے، اس لیے کہ (لوگوں نے) اس کے چہرے پر کئی پردے ڈال رکھے ہیں''۔

(آئندہ تین اشعار میں اقبالؒ نے ان پردوں سے پردہ اٹھایا ہے۔)

(۴۹) گاہ اُو را رحم و نرمی پردہ دار
گاہ می پوشد ردائے انکسار

ترجمہ: ''کبھی رحم دلی اور نرمی ناتوانی کی پردہ دار ہوتی ہے اور کبھی یہ انکسار کی چادر اوڑھ لیتی ہے''۔

شرح: رحم دلی، نرمی اور کسرِ نفسی اچھی صفات ہیں، لیکن اگر بے موقع ہوں اور ناتوانی کی وجہ سے ہوں، تو یہی صفات تباہ کن ثابت ہو سکتی ہیں۔

(۵۰) گاہ اُو مستور در مجبوری است

گاہ پنہاں در تہِ معذوری است

ترجمہ: ’’کبھی وہ مجبوری کے پردے میں چھپ جاتی ہے اور کبھی معذوری کی تہ میں پنہاں ہو جاتی ہے‘‘۔

شرح: کبھی انسان ناتوانی اور بے عملی کو مجبوری اور معذوری قرار دے کر مطمئن ہو جاتا ہے۔

(۵۱) چہرہ در شکلِ تن آسانی نمود

دل ز دستِ صاحبِ قوّت ربود

ترجمہ: ’’کبھی یہ تن آسانی کی شکل میں جلوہ نما ہوتی ہے اور صاحبِ قوّت کے ہاتھ سے اُس کا دل اچک لیتی ہے‘‘۔

شرح: جسم کا آرام اور سکون انسان کا فطری تقاضا ہے، لیکن یہ سکون اس وقت سودمند ہوتا ہے، جب عمل اور جدوجہد کے بعد ہو، اور اس آرام سے آئندہ عمل کی تیاری مقصود ہو، اور اگر یہ تن آسانی سستی، بے کاری اور ناتوانی کی وجہ سے ہو تو اتنی مہلک ہے کہ اچھے بھلے باہمت لوگوں کو بے ہمت بنا کر گمراہ کر دیتی ہے۔

(ناتوانی کی مذمت کے بعد اب توانائی اور قوت کی اہمیت کو بیان کیا جارہا ہے۔)

(۵۲) با توانائی صداقت توأم است

گر خود آگاہی ہمیں جامِ جم است

ترجمہ: ’’قوت اور صداقت جڑواں ہیں، اگر تجھے خود آگاہی (اپنی قوتوں سے آگہی) کی دولت حاصل ہے تو یہی تیرے لیے جامِ جم ہے‘‘۔

شرح: جامِ جم: ’’پیالۂ جمشید جو حکمائے فارس نے بنایا تھا، کہتے ہیں کہ اس کے وسیلے سے ہفت آسمان کا حال معلوم ہو جاتا تھا، اسی کو جامِ جہاں نما بھی کہتے ہیں...... ایشائی لوگوں کا خیال ہے کہ اس کے ذریعہ سے تمام عالم کا احوال اور خیر و شر معلوم ہو جاتی تھی...... صحیح اتنا ہے کہ اس میں خطوط ہندسی کھدے ہوئے تھے، جس کے وسیلے سے حساب لگا کر ستاروں کی گردش اور ان کا اثر معلوم ہو جاتا تھا، مگر درحقیقت بات یہ ہے کہ جس وقت جمشید نے شراب ایجاد کی، تو اس کے لیے جو پیالۂ شراب بنایا گیا، اس کا نام جامِ جم یا جامِ جمشید رکھا گیا۔‘‘ (فرہنگ آصفیہ)

صداقت کسی بھی انسان کے لیے باعثِ فضیلت وصف ہے، اور یہ وصف حاصل ہوتا ہے قوت و جرأت سے، توانا اور صاحبِ قوّت کو کسی کا خوف نہیں ہوتا، اس لیے وہ سچ بولتا ہے، جیسے ناتوان اور کمزور کو ہر کسی کا خوف ہوتا ہے اور وہ جھوٹ بولتا ہے، تو صداقت کی فضیلت پانے کے لیے بھی قوت کا حصول ضروری ہے، اور جس جامِ جم کے لوگ گن گاتے ہیں، اور جس کی وجہ سے اُسے بڑا انسان سمجھتے ہیں، اپنے اندر جھانک کر دیکھو، جامِ جم تمہارے اندر موجود ہے، ہر انسان اپنی قوتوں سے آگاہ ہو کر پوری دنیا کو اپنے دائرۂ آگہی میں لا سکتا ہے اور باطل پر چھا سکتا ہے۔

(۵۳) زندگی کشت است و حاصل قوّت است

شرحِ رمزِ حق و باطل قوّت است

ترجمہ: ’’زندگی کھیت ہے اور اس کا حاصل قوّت ہے، حق و باطل کے راز کی وضاحت قوّت سے ہی ہوتی ہے‘‘۔

شرح: مقصد یہ ہے کہ مسلمان کے لیے قوّت کا حصول نہایت ضروری ہے، جیسا کہ قرآن کا فرمان ہے:

ترجمہ: ’’اور ان (دشمنوں) کے لیے قوت تیار کرو جتنی کر سکو......‘‘ (الانفال:۶۰)

مؤمن کی زندگی کھیت کی طرح ہے، مؤمن کو اپنا وقت ایسے عمل اور ایسی تحقیق میں کھپانا چاہیے، جس کے نتیجے میں انفرادی اور اجتماعی سطح پر علمی، عقلی، سائنسی، عسکری، ایٹمی، سیاسی، معیشی، معاشرتی، اخلاقی، روحی، نفسی، جسمی غرض ہر طرح کی دینی اور دنیوی قوت فراہم ہو، عزت اور نصرت اور فتح وظفر اسی قوت سے حاصل ہوتی ہیں۔ اگر مؤمن کی زندگی سے کسی مفید قوت کی فصل برآمد نہیں ہوئی، تو اس نے بانجھ اور بنجر زندگی گزاری۔ حضور اکرم ﷺ نے بھی فرمایا ہے:

"المؤمن القوی خیر وأحب الی اللہ من المؤمن الضعیف......" (مسلم عن ابی ھریرہؓ، مشکوٰۃ، باب التوکل والصبر :۴۵۲)

ترجمہ: "صاحب قوت اور باہمت مؤمن کمزور اور ناتواں مؤمن کی نسبت اللہ تعالیٰ کو زیادہ اچھا اور پیارا لگتا ہے۔"

اور اس کی حکمت یہ ہے کہ حق کو حق اور باطل کو باطل اسی قوت سے ثابت کیا جا سکتا ہے، یہی قوت اگر باطل کو دستیاب ہو جائے، تو وہ اپنے آپ کو حق بنا کر پیش کرے گا...... آئندہ اشعار میں اس حکمت کی مزید وضاحت کی جا رہی ہے۔

(۵۴) مدّعی گر مایہ دار از قوّت است

دعویٔ اُو بے نیاز از حجّت است

ترجمہ: "مدّعی کے پاس اگر قوت کا سرمایہ ہو تو اس کا دعویٰ حجت کا محتاج نہیں ہوتا"۔

یعنی بغیر دلیل اُس کی بات تسلیم کر لی جاتی ہے۔

(۵۵) باطل از قوّت پذیرد شانِ حق

خویش را حق داند از بطلانِ حق

ترجمہ: "قوت ہی سے باطل حق کا روپ دھار لیتا ہے اور حق (یعنی اہل حق) کے کمزور اور بے مایہ ہونے سے اپنے آپ کو حق سمجھنے لگتا ہے"۔

(۵۶) از کُنِ اُو زہر کوثر می شود

خیر را گوید شرے شر می شود

ترجمہ: "(پھر) اُس کے حکم سے زہر آبِ کوثر قرار پاتا ہے، اور وہ کسی خیر کو شر کہہ دے تو اسے شر سمجھا جاتا ہے"۔

شرح: اس کا عملی نمونہ دیکھنا ہو تو اس وقت دنیا بھر میں طاغوتی طاقتوں کی چیرہ دستیاں اور خرمستیاں اور میڈیا کی قوت سے حق و باطل اور خیر و شر کی معنیٰ آفرینیاں دیکھ لیجیے۔

(۵۷) اے ز آدابِ امانت بے خبر

از دو عالم خویش را بہتر شمر

ترجمہ: "اے مسلمان! تُو (تو امینِ کائنات ہے، لیکن آج) آدابِ امانت سے بے خبر ہو چکا ہے، (احساسِ کمتری سے نکل اور) اپنے آپ کو دو عالم سے بہتر شمار کر"۔

(۵۸) از رموزِ زندگی آگاہ شو

ظالم و جاہل ز غیراللہ شو

ترجمہ: "زندگی کی رموز سے آگاہی حاصل کر (صرف اللہ سے وابستہ ہو) غیر اللہ سے بے رُخ، بیزار اور ناواقف رہ"۔

شرح: مذکورہ بالا دو شعروں میں سورۃ الاحزاب، آیت :۷۲ کے مضمون کی

طرف اشارہ ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ترجمہ: ''ہم نے ایک خاص امانت آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کے سامنے پیش کی، تو انہوں نے انکار کیا کہ اُسے اٹھائیں اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھالیا، بے شک یہ ہے بڑا نا ترس اور نادان''۔

یعنی اپنی جان پر ترس نہ کھایا، جو بوجھ آسمانوں، زمین اور پہاڑوں سے نہ اٹھ سکتا تھا، اس نادان نے اپنے نازک کندھوں پر اٹھالیا...... اس مقام پر انسان کو ظلوم وجہول محبت کے طور پر فرمایا کہ انسان نے اپنی خواہشوں اور کمزوریوں کی پروانہ کی اور ہماری فرمائش پوری کردی۔

یہ امانت خلافت کی امانت تھی، انسان نے ایک مدت تک اس امانت کی حفاظت کی اور خوب کی، لیکن رفتہ رفتہ نفسانی خواہشوں سے مغلوب ہوکر کچھ انسان امانت کیا، ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھے، اور جو ایمان رکھتے تھے، وہ آدابِ امانت سے بے خبر ہوگئے۔

تو ان اشعار میں اقبالؒ نے مؤمن کو اُس کا مقام یاد دلایا ہے کہ وہ زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ ہے، اور یہ خلافت اُس کے پاس امانت ہے، اس امانت کا حق وہ تبھی ادا کرسکتا ہے، جب اپنے مالک کا وفادار اور فرماں بردار ہوکر رہے، غیر اللہ سے اتنا کنارہ کش ہو کہ ان سے کوئی امید رکھے نہ کوئی خوف، اور اگر اُس کی خاطر غیر اللہ سے ٹکرانا پڑے تو ٹکرا جائے۔ بارِ امانت قبول کرنے کی وجہ سے انسان کا مقام باقی مخلوقات سے اشرف و اعلیٰ ہوگیا، اب انسان کی ذمہ داری ہے کہ وہ کائنات میں مخفی قوتوں کا کھوج لگائے اور ان قوتوں پر تسلط پا کر اپنے مقامِ خلافت کی حفاظت کرے۔

یہی زندگی کے اسرار و رموز ہیں، جو اسماءِ علیؑ کے نور سے روشن ہوئے ہیں۔

یہاں ایک تفسیری نکتہ بھی قابلِ توجہ ہے۔ قرآن مجید میں انسان کو ظلوم و جہول فرمایا گیا، اقبال ''ظالم و جاہل ز غیر اللہ شو'' کہہ کر اشارہ کر رہے ہیں کہ آیت میں انسان کا اپنے اوپر ظالم اور اپنے آپ سے جاہل ہونا مراد نہیں، بلکہ طاغوت پر ظالم اور نا ترس اور غیر اللہ سے جاہل اور بے تعلق ہونا مراد ہے۔ واللہ اعلم۔

(۵۹) چشم و گوش و لب کشا اے ہوشمند
گر نہ بینی راہِ حق بر من بخند

ترجمہ: ''اے صاحبِ ہوش! اپنی آنکھیں، کان اور لب کھلے رکھ، پھر بھی اگر راہِ حق نظر نہ آئے تو بے شک میری ہنسی اڑانا''۔ (اسرارِ خودی: ۴۷۔۵۱)

شرح: اقبال کے مرشد عارف رومیؒ نے مثنوی میں فرمایا تھا:

چشم بند و گوش بند و لب بند
گر نہ بینی نورِ حق بر ما بخند

اس سے مولانا رومیؒ کی مراد یہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے جس کا دیکھنا حرام قرار دیا ہے، اُسے دیکھنے سے آنکھ بند رکھ، حرام سننے سے کان بند رکھ، اور حرام کہنے سے زبان بند رکھ، اس پرہیز کے بعد اگر نورِ حق دکھائی نہ دے، تو ہم پر ہنس دینا۔

لیکن کج فہم لوگوں نے اس کا مطلب یہ سمجھ لیا کہ زندگی کے مسائل سے آنکھیں چرانا، اخبارِ جہان سے کان بند رکھنا اور ظلم و ستم پر زبان بند رکھنا طریقت اور ولایت ہے۔ جو جتنا بے علم، بے سمجھ اور بدھو ہوگا، وہ اُتنا ہی بڑا ولی ہوگا۔ اس سوچ سے فکری جمود اور قومی ضعف نے جنم لیا اور امت زوال اور انحطاط کا شکار ہوگئی۔

اقبالؒ امت کو اس غفلت اور مدہوشی سے نکالنے کے لیے اپنے مرشدؒ کے شعر میں ذرا سا تصرف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حق دیکھنے کے لیے آنکھیں کھولو، حق

سننے کے لیے کان کھولو، حق کہنے کے لیے زبان کھولو، پھر بھی راہِ حق نظر نہ آئے تو مجھ پر ہنس دینا۔

مقصد یہ ہے کہ مؤمن کو اپنی صلاحیتوں اور قوتوں سے پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے انسان کو سمیع و بصیر بنایا ہے، اُسے دانش و بینش کے ساتھ زندگی گزارنی چاہیے، جہالت، سفاہت اور غفلت مؤمن کے شایانِ شان نہیں ہے، حواس ظاہرہ کے صحیح اور بھرپور استعمال سے ہی قوت و طاقت اور عزّت و شوکت حاصل ہو سکتی ہے۔

غور کیجیے! گزشتہ تمام اشعار کا حاصل یہ شعر ہے!

☆☆☆

زندگی کرّاری میں ہے

اقبالؒ دوسرے مقام پر ایک صاحبِ اقتدار مسلمان سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ تمہیں سخت کوش، پُردم اور کرّار بن کر زندگی بسر کرنی چاہیے، اور:

می شناسی معنیٔ کرّار چیست ؟
ایں مقامے از مقاماتِ علیؑ است

ترجمہ: ''تم جانتے ہو کہ کرّار کا معنی کیا ہے؟ یہ سیدنا علیؑ کے مقاماتِ عالیہ میں سے ایک مقام ہے''۔

امتاں را در جہانِ بے ثبات
نیست ممکن جز بکرّاری حیات

ترجمہ: ''اس جہانِ ناپائیدار میں قوموں کے لیے کرّاری (پلٹ پلٹ کر

ضربِ کاری اور جہدِ مسلسل) کے بغیر زندہ رہنا ممکن نہیں''۔

سر گزشتِ آلِ عثماں را نگر
از فریبِ غربیاں خونیں جگر

ترجمہ: ''آلِ عثمان (ترکوں) کی سرگزشت دیکھو، انگریزوں کے فریب سے ان کا جگر زخمی ہے''۔

اِس میں ترکی کی سلطنتِ عثمانیہ کے زوال اور سقوط کی طرف اشارہ ہے۔

تا ز کرّاری نصیبے داشتند
در جہاں دیگر علم افراشتند

ترجمہ: ''جب تک انہیں کرّاری نصیب رہی، انہوں نے دنیا میں اور انداز کا جھنڈا بلند کیا''۔

یعنی غالب اور فتح یاب رہے۔

مسلمِ ہندی چرا میداں گذاشت؟
ہمتِ اُو بُوئے کرّاری نداشت!

ترجمہ: ''ہندی مسلمان کیوں میدان چھوڑ گیا؟ اس لیے کہ اس کی ہمت میں کرّاری کی خُو بُو نہ تھی''۔

اس شعر میں ہند میں مسلم اقتدار کے اسبابِ زوال کی طرف اشارہ ہے۔

مشتِ خاکش آنچناں گردیدہ سرد
گرمیٔ آوازِ من کارے نکرد!

ترجمہ: ''اس کی مشتِ خاک اتنی سرد ہو چکی ہے کہ میری گرمیٔ آواز نے بھی اس پر کچھ اثر نہ کیا''۔ (پس چہ باید کرد اے اقوام شرق: مسافر:۸۲)

حاصل یہ ہے کہ سیدنا علیؓ کے اسماء: ابو تراب، کرّار، یَدُاللہ ہمیں ضبطِ نفس، عملِ پیہم، جہدِ مسلسل، غیرت وحمیت اور قوت وہیبت کا درس دیتے ہیں، اور سیدنا علیؓ کا اُسوہ اپنا کر ہی امت قعرِ مذلت سے نکل سکتی ہے۔

فقر اور علیؓ و حسینؓ

فقر ایک اعلیٰ ایمانی وصف ہے۔ فکرِ اقبالؒ میں فقر نگاہِ راہ بیں اور دلِ زندہ کا نام ہے، فقر ذوق وشوق اور تسلیم ورضا کا نام ہے، فقر تسخیرِ کائنات کا نام ہے، فقر کی تاثیر سے بندہ مولا صفات بن جاتا ہے، فقر احتسابِ ہست وبود اور محاسبۂ نفس سکھاتا ہے، فقر متاعِ مصطفیٰ ﷺ ہے اور ہم اس کے امین ہیں۔

اقبالؒ کی نظر میں سیدنا علیؓ اور سیدنا حسینؓ فقر کی بہترین مثال ہیں:

فقر خیبر گیر با نانِ شعیر
بستۂ فتراکِ اُو سلطان و میر

ترجمہ: ''فقر جَو کی روٹی کھا کر خیبر فتح کرتا ہے، (فقیر اتنا اونچا انسان ہوتا ہے کہ) سلطان ومیر اس کے فتراک (شکار بند) سے بندھے ہوتے ہیں''۔

فقر چوں عریاں شود زیرِ سپہر
از نہیبِ اُو بلرزد ماہ و مہر

ترجمہ: ''جب آسماں تلے فقر عیاں ہوتا ہے تو اس کی ہیبت سے چاند اور سورج بھی لرزتے ہیں''۔

فقرِ عریاں گرمیٔ بدر و حنین
فقرِ عریاں بانگِ تکبیرِ حسینؓ

ترجمہ: ''بدر وحنین کے ولولے دراصل فقر کے جلوے تھے اور حسینؓ کی تکبیر کی آواز سے فقر ہی نمایاں ہو رہا تھا''۔

فقر را تا ذوقِ عریانی نماند
آں جلال اندر مسلمانی نماند

ترجمہ: ''جب سے فقر میں ذوقِ اظہار نہ رہا تو مسلمانی میں بھی وہ جاہ و جلال باقی نہ رہا''۔ (پس چہ باید کرد اے اقوام شرق: ۲۰-۲۲)

قرآن مجید میں فرمانِ الٰہی ہے:

''یا ایھا الناس أنتم الفقراء الی اللہ'' (فاطر:۱۵)

ترجمہ: ''اے لوگو! تم صرف اللہ کے محتاج ہو''۔

اس آیت سے فقر کا معنی یہ معلوم ہوا کہ انسان صرف اللہ کا محتاج رہے، اس کا لینا دینا، اس کا اٹھنا بیٹھنا، اس کا چلنا پھرنا، اس کا جھپٹنا اور پلٹنا، اُس کا پکڑنا اور چھوڑنا، اس کا چاہنا اور کترانا، اس کا جینا اور مرنا صرف اللہ کے بھروسے پر ہو۔ اسے کسی انسان سے کوئی خوف ہو نہ کوئی امید، فقیر کے ایک ایک عمل سے فقر کا نور پھوٹے، اس کے وجود سے معاشرے میں فقر کی خوشبو پھیلے۔ یہ فقر توحید کا لازمی نتیجہ ہے اور ایسے فقر میں ہیبت اور قوت ہوتی ہے۔

لیکن جب سے فقر کا معنی مسکینی ودلگیری، ناتوانی وعاجزی، بے کاری وبے عملی اور خموشی ومدہوشی ہوا، مسلمان کی شان اور فقر کی آن بھی رخصت ہوگئی۔

....

اردو کلام میں فرماتے ہیں:

اے طائرِ لاہوتی اُس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی !
دارا و سکندر سے وہ مردِ فقیر اَولیٰ
ہو جس کی فقیری میں بوئے اسد اللّٰہی !
آئینِ جوانمرداں حق گوئی و بے باکی
اللہ کے شیروں کو آتی نہیں روباہی !

(بالِ جبریل:۵۷)

بے نیازی اور علیؓ

اقبالؒ کے نزدیک جوانسان "اللہ الصمد" کا رمز آشنا ہو جائے وہ اہلِ جہان اور اسبابِ جہان سے بے نیاز ہو جاتا ہے۔ سیدنا علیؓ غیرت اور عزتِ نفس میں بھی ہمارے لیے رہنما ہیں:

چوں علیؓ درساز با نانِ شعیر
گردنِ مرحب شکن خیبر بگیر

ترجمہ: "علی مرتضیٰؓ کی طرح جَو کی روٹی پر گزارا کر، مرحب کی گردن توڑ اور خیبر فتح کر"۔

مِنّتِ اہلِ کرم بُردن چرا
نشترِ لَا و نَعَم خُوردن چرا

ترجمہ: "اہل دولت کا احسان اٹھانا کیوں؟ 'ناں' اور 'ہاں' کا زخم کھانا کیوں؟"

(رموزِ بیخودی:۱۵۸)

....

اردو کلام میں فرماتے ہیں:

تری خاک میں ہے اگر شرر، تو خیالِ فقر و غنا نہ کر
کہ جہاں میں نانِ شعیر پر، ہے مدارِ قوتِ حیدریؓ

(بانگِ درا:۲۵۲)

عشق اور علیؓ

عشق ایک نہایت لطیف جذبہ ہے، جسے یہ دولت میسر ہو جائے، اس کا سینہ بے پناہ قوت کا خزینہ بن جاتا ہے۔ قوتِ عشق کائنات میں انقلاب برپا کر دیتی ہے، اور جب یہ عشق، عشق مصطفیٰ ﷺ ہو تو اس کی تابانی سے زمین و آسمان چمک اٹھتے ہیں، اس کی خوشبو دل و دماغ کو مسحور کر لیتی ہے، عشق علم کی بھی روح ہے اور عمل کی بھی، عشق کے بغیر علم و عمل بے جان ہیں۔

سیدنا علیؓ کا علم، عمل اور تمام زندگی عشقِ نبی ﷺ سے معطر و منوّر تھی۔

فرماتے ہیں:

ہر کہ عشقِ مصطفیٰؐ سامانِ اُوست
بحر و بر در گوشۂ دامانِ اُوست

ترجمہ: "عشقِ مصطفوی جس کا سامانِ حیات ہے (وہ اتنا بڑا سرمایہ دار ہے کہ) بحر و برّ اس کے دامن کے ایک پلّو میں بندھے ہوئے ہیں"۔

جیسے حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت علیؓ تھے۔

سوزِ صدیقؓ و علیؓ ازحق طلب
ذرۂ عشقِ نبیؐ از حق طلب

ترجمہ: (تمہیں بھی چاہیے کہ) ''اللہ تعالیٰ سے صدیقؓ وعلیؓ کا سوزِ دروں مانگو اور دعا کرو کہ عشقِ نبوی کا ایک ذرہ نصیب ہو جائے''۔ (پیامِ مشرق:۲۰)

....

اردو کلام میں فرمایا:

جمالِ عشق و مستی نَے نوازی
جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازی

(بالِ جبریل:۸۳)

اور:

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق!
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علیؓ خیبر شکن عشق!

(بالِ جبریل:۸۷)

ہماری ضرورت...... بازوے حیدرؓ

عربی مقولہ ہے: ''السیف بالساعد لا الساعد بالسیف ''یعنی تلوار بازو کے زور سے چلتی ہے، بازو تلوار کے زور سے نہیں چلتا۔ انسان کے پاس ہتھیار ہو، لیکن چلانا نہ جانتا ہو تو ہتھیار بیکار، قوت موجود ہے، لیکن استعمال سے بے خبر ہے تو قوت رائیگاں۔ اس لیے اقبالؒ کثرت سے یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمارے نوجوان کو بازوے حیدرؓ عطا ہو، قوت ملی ہے تو اسے استعمال کا سلیقہ بھی آئے۔ 'بازوے حیدرؓ' جرأت مند قیادت سے اور 'زورِ حیدرؓ' قوت کو برمحل اور صحیح استعمال کرنے سے استعارہ ہے۔ فرماتے ہیں:

من آن علم و فراست باپرِ کاہے نمی گیرم
کہ از تیغ و سپر بیگانہ سازد مردِ غازی را

ترجمہ: ''میں اُس علم و فراست کو گھاس کے تنکے کے برابر بھی نہیں سمجھتا، جو مردِ غازی کو تیغ و سپر سے بیگانہ کر دے''۔

یعنی اُس کے دل سے شوقِ جہاد نکال دے۔

بہر نرخے کہ ایں کالا بگیری سود مند افتد
بزورِ بازوے حیدرؓ بدہ ادراکِ رازی را

ترجمہ: ''یہ سامانِ شوق جس قیمت پر بھی ملے، لے لے، فائدے میں رہے گا، رازیؒ کے علم و ادراک کو بازوے حیدرؓ کی قوت پر قربان کر دے''۔ (زبورِ عجم:۱۰۴)

....

اردو کلام میں ایک نوجوان سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالیں ہیں ایرانی
لہو مجھ کو رُلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی !
اَمارت کیا، شکوہِ خسروی بھی ہو تو کیا حاصل ؟
نہ زورِ حیدریؓ تجھ میں، نہ استغنائے سلمانیؓ
نہ ڈھونڈ اس چیز کو تہذیبِ حاضر کی تجلّی میں !
کہ پایا میں نے استغنا میں معراجِ مسلمانی !

(بالِ جبریل:۱۲۰)

اور ''طلوعِ اسلام'' میں فرماتے ہیں:

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا؟ زورِ حیدرؓ، فقرِ بوذرؓ، صدقِ سلمانیؓ !
یہی مقصودِ فطرت ہے، یہی رمزِ مسلمانی !
اخوّت کی جہانگیری، محبت کی فراوانی !

(بانگِ درا:۲۷۰)

دنیا میں خیر وشر اور حق و باطل کی کشمکش آج بھی اُسی طرح جاری ہے، جس طرح قرنِ اول میں تھی:

نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی، نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
وہی فطرتِ اسداللّٰہی، وہی مرحبی وہی عنتری ☆

☆ عنتر مشہور یہودی سردار مرحب کا بھائی تھا، اور خود بھی جنگجو پہلوان تھا، یہ دونوں بھائی غزوۂ خیبر میں ذوالفقارِ علیؓ سے اپنے انجام کو پہنچے۔ (مہذّب)

اِس لیے بارگاہ رسالت میں عرض رسا ہوتے ہیں:

بدہ اُو را جوانِ پاکبازے
سرورش از شرابِ خانہ سازے
قوی بازوے اُو مانندِ حیدرؓ
دلِ اُو از دوگیتی بے نیازے

(ارمغانِ حجاز:۵۳)

ترجمہ: ''اس امت کو ایک ایسا پاکباز جوان عطا فرمائیے، جس کی فکر و نظر میں شرابِ خانہ ساز کا سرور ہو (جو تہذیبِ مغربی سے متاثر نہ ہو) اس کے بازو حیدر کرارؓ کی طرح مضبوط اور طاقتور ہوں اور اُس کا دل دو جہان سے بے نیاز ہو''۔

مزید عرض کرتے ہیں:

گلستانے زخاکِ من برانگیز
نمِ چشمم بخونِ لالہ آمیز
اگر شایاں نیم تیغِ علیؓ را
نگاہے دہ چو شمشیرِ علیؓ تیز!

(ارمغانِ حجاز:۵۶)

ترجمہ: ''میری خاک سے گلستان پیدا فرما دیجیے، خونِ لالہ میں میری آنکھ کی نمی بھی ملا دیجیے، اگر میں تیغِ علیؓ کے لائق نہیں ہوں تو مجھے ایسی نگاہ عطا فرما دیجیے، جو تیغِ علیؓ کی مانند تیز ہو''۔

اور کہیں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں:

دلوں کو مرکزِ مہر و وفا کر
حریمِ کبریا سے آشنا کر
جسے نانِ جویں بخشی ہے تو نے
اُسے بازوے حیدرؓ بھی عطا کر

(بالِ جبریل:۹)

عصرِ حاضر میں امتِ مسلمہ جن مسائل اور مشکلات میں گھری ہوئی ہے، انہیں حل کرنے کے لیے ایسی قیادت کی ضرورت ہے، جو حیدری اور کرّاری اوصاف کی حامل ہو، فرماتے ہیں:

منزلِ رہرواں دور بھی، دشوار بھی ہے
کوئی اِس قافلہ میں قافلہ سالار بھی ہے ؟
بڑھ کے خیبر سے ہے یہ معرکۂ دین و وطن
اِس زمانے میں کوئی حیدرِ کرارؓ بھی ہے ؟

(بالِ جبریل:۶۴)

لیکن اس کے ساتھ فریبی لیڈروں اور مکار سیاستدانوں سے بچنے کی تلقین بھی کرتے ہیں:

ہزار خیبر و صد گونہ اژدر است اینجا
نہ ہر کہ نانِ جویں خورد حیدریؓ داند

(پیامِ مشرق:۱۷۵)

ترجمہ: ''ہمارے اردگرد ہزار خیبر اور سو طرح کے اژدھے بکھرے ہوئے ہیں (ان سے نمٹنے کے لیے حیدریؓ روایات اور کرّاری جذبات کی ضرورت ہے) اور ضروری نہیں کہ جو نانِ جویں کھاتا ہو، وہ حیدریؓ بھی جانتا ہو''۔

بابِ علم وحکمت......علیؓ

جرأتِ عمل کے ساتھ اقبالؒ علم بھی بابِ علمؓ سے حاصل کرتے ہیں:

یہ نکتہ میں نے سیکھا بوالحسن سے
کہ جاں مرتی نہیں مرگِ بدن سے
چمک سورج میں کیا باقی رہے گی
اگر بیزار ہو اپنی کرن سے !

(بالِ جبریل:۸۷)

الغرض! امیر المومنین سیدنا علیؓ المرتضیٰ کی شخصیت عزم واستقلال، ہمت و جرأت، غیرت وحمیت، یقینِ محکم، پیکارِ پیہم، فقرِ غیور، عشقِ جسور، خودداری و بے نیازی، تدبر و تفکر، فہم وفراست، جرأت مند قیادت اور علم وحکمت کا نہایت حسین مجموعہ تھی۔

یہ تو تھے امام حسینؓ کے والد گرامیؓ اور اب فکرِ اقبالؒ کی روشنی میں امام حسینؓ کی والدہ ماجدہؓ کی شخصیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔

شرفِ بے خودی

سیدۃ النساء

فاطمۃ الزہراء

سلام اللہ ورضوانہ علیہا

لفظ شعر سے نکل جائے تو بے وزن اور بے اثر ہو جاتا ہے، پتا اپنی شاخ سے گر جائے تو بہار کھو بیٹھتا ہے، ہوائیں اُس سے جو چاہیں، سلوک کریں، کہیں اُس کی شنوائی نہیں ہوتی، اور موتی ایک لڑی میں پروئے جائیں تو اُن کا نام اور مقام بلند ہو جاتا ہے، ستارے ایک جگہ اکٹھے ہو جائیں تو کہکشاں بن جاتی ہے، اسی طرح:

فرد قائم ربطِ ملّت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

فرد اکیلا ہو تو اعلیٰ مقاصد سے غافل ہو جاتا ہے، اس کے جذبات سرد پڑ جاتے ہیں، اُس کے نغمے افسردہ ہو جاتے ہیں اور قوتیں آشفتہ، رفتہ رفتہ اس کی صلاحیتیں مردہ ہو جاتی ہیں۔ یہ قوم ہی ہے جو فرد کو ضبط آشنا کرتی ہے، اُسے صبا کی طرح نرم رو اور مہربان بناتی ہے، شمشاد کی مانند اُسے پابندِ گِل بنا کر آزاد کر دیتی ہے۔ یہی حکمت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جماعت پر اللہ کا ہاتھ ہوتا ہے'' اور ''اکیلی بھیڑ کو بھیڑیا نہایت آسانی سے شکار کر لیتا ہے''۔

اس لیے خودی کے بعد دوسرا مرحلہ بے خودی کا ہے۔ خودی تکمیلِ ذات ہے تو بے خودی تشکیلِ جماعت، خودی حصارِ خلوت ہے تو بے خودی ہنگامۂ جلوت۔ اپنی

قوتوں اور صلاحیتوں کو قوم کے لیے وقف کر دینا، ذاتی مفادات کو ملّی مفادات پر قربان کر دینا، ناز چھوڑ کر نیاز اختیار کرنا بے خودی ہے۔

اور بے خودی کی سب سے بلند صورت یہ ہے کہ خلوت میں ہنگامۂ جلوت برپا کر لے، مستور رہتے ہوئے جہاں تاب رہے، اپنے جذبۂ اظہار کو کچل کر دوسروں میں نظر آئے۔ بے خودی کے اس مقام پر عورت فائز ہوتی ہے۔ عورت کا کوئی سا روپ ہو، بیٹی ہو یا بیوی، بہن ہو یا ماں، اس کا تعمیرِ ملّت میں اہم کردار ہے۔

بالخصوص ماں کا کردار تو نہایت ہی اہم اور نازک ہے، 'اُمّ' سے 'اُمّت' وجود پاتی ہے۔ یہ ماں ہی ہے جو اپنی ذات چھپاتی ہے اور اولاد کو چمکاتی ہے۔ اولاد کے آئینے میں ماں کے انوار کا عکس دکھائی دیتا ہے۔ شانِ اُمُومَت درحقیقت نورِ بے خودی ہی کا ایک حسین و جمیل رنگ ہے۔ تشکیلِ جماعت اور تعمیرِ ملّت چونکہ اسلام کا مطلوب ہے اور نوعِ انسانی کی بقا اور تعمیرِ سیرت میں ماں کا کردار کلیدی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اسلام اُمُومَت (Motherhood) کے احترام اور اس کے ناموس کی حفاظت کو نہایت اہمیت دیتا ہے۔

اقبالؒ کی نگاہ میں مسلمان عورت کے ہر روپ کے لیے...... خاص طور پر ماں کے روپ کے لیے...... سیدہ فاطمہ زہراؑ اسوۂ کاملہ اور نمونۂ جامعہ ہیں۔

گویا بہترین ملت کی تشکیل اور اعلیٰ کردار اور عمدہ اقدار کے حامل انسان تیار کرنے کے لیے ہمیں سیدہ فاطمہ زہراؑ کا اسوۂ حسنہ اپنانا ہوگا۔ آپؑ چاند اور سورج کی نگاہ سے بھی مستور رہیں، لیکن حسنؓ، حسینؓ اور زینبؓ کے آئینے میں آپؑ کے انوار کے انعکاس سے پورا جہاں آج بھی روشن و تاباں ہے، اس لیے آپ بجا طور پر ''شرفِ بے خودی'' ہیں۔

انہی رموز کی وضاحت کرتے ہوئے اقبالؒ 'رموزِ بے خودی' میں نظم ''در معنی ایں کہ سیدۃ النساء فاطمۃ الزہراؑ اسوۂ کاملہ ایست برائے نساء اسلام'' میں فرماتے ہیں:

منقبت

(۱) مریمؑ از یک نسبتِ عیسیٰؑ عزیز

از سہ نسبت حضرتِ زہراؓ عزیز

ترجمہ: ''حضرت مریم (مادرِ عیسیٰؑ ہونے کی) ایک نسبت کی وجہ سے عزیز و محترم ہیں تو حضرتِ فاطمہ زہراؓ تین نسبتوں کی وجہ سے لائقِ عزت واحترام ہیں''۔

پہلی نسبت

(۲) نورِ چشمِ رحمۃٌ لِلعالمینؐ

آں امامِ اوّلین و آخرینؐ

ترجمہ: ''آپؓ اُس عظیم ہستی کی نورِ چشم ہیں، جو سب جہانوں کے لیے رحمت اور اولین و آخرین کے امام ورہنما ہیں''۔ ﷺ

(۳) آں کہ جاں در پیکرِ گیتی دمید

روزگارِ تازہ آئیں آفرید

ترجمہ: ''وہ عظیم ہستی، جنھوں نے پیکرِ ہستی میں نئی روح پھونکی اور ایک ایسا زمانہ وجود میں لائے، جس کا آئین بالکل تازہ ہے''۔ ﷺ

یعنی آپؐ نے دنیا کو نیا اور تازہ آئین عطا فرمایا اور تعمیری انقلاب برپا کیا۔

دوسری نسبت

(۴) بانوے آں تاجدارِ ھَلْ أَتٰی

مرتضیٰ، مشکل کشا، شیرِ خدا

ترجمہ: ''آپؓ اُس عظیم شخصیت کی رفیقۂ حیات ہیں، جن کے سر پر سورۂ ھَلْ أَتٰی کا تاج سجا ہے، جو (اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے) پسندیدہ تھے، دینی اور دنیوی مشکلات کے گرہ کشا اور شیرِ خدا تھے''۔

شرح: ایک روایت کے مطابق سورۂ ھَلْ أَتٰی (سورۃ الدھر) مسکین، یتیم اور اسیر کے لیے اہل بیتؓ کے بے مثال ایثار کے انعام و اکرام میں نازل ہوئی۔ (روح المعانی: ۱۸۰/۲۹) اِس حوالے سے سیدنا علیؓ کو تاجدارِ ھَلْ أَتٰی کہا۔

(۵) پادشاہ و کُلبۂ ایوانِ او

یک حُسام و یک زرہ سامانِ او

ترجمہ: ''جو بادشاہ تھے مگر آپؓ کا ایوانِ شاہی ایک حجرہ تھا، ایک تلوار اور ایک زرہ آپؓ کا سامانِ حیات تھا''۔

یعنی آپؓ کی زندگی تعیشات اور تکلفات سے پاک اور نہایت سادہ تھی۔

تیسری نسبت

(۶) مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق

مادرِ آں کارواں سالارِ عشق

ترجمہ: ''آپؓ اُس عظیم گھرانے کی ماں تھیں جو پرکارِ عشق کا مرکز اور کاروانِ عشق کا سالار تھا''۔

شرح: جس طرح پرکار کا ایک مرکزی نقطہ ہوتا ہے اور پورا دائرہ اس کے گرد گھومتا ہے، اسی طرح یہ خانوادہ حلقۂ اہلِ عشق کا مرکز اور قافلۂ عشاق کا

سالار ہے، اہلِ عشق جمع ہوں گے تو اِنہی کے گرد جمع ہوں گے اور چلیں گے تو اِنہی کی امامت میں چلیں گے۔

(۷) آں یکے شمعِ شبستانِ حرم
حافظِ جمعیتِ خیر الامم

ترجمہ: ''اُن میں سے ایک (امام حسنؓ) شبستانِ حرم کی شمع تھے (یعنی شب زندہ دار اور نہایت درجہ عبادت گزار تھے) اور اِس بہترین امت کی اجتماعیت کے محافظ تھے''۔

(۸) تانشیند آتشِ پیکار و کیں
پشتِ پا زد برسرِ تاج و نگیں

ترجمہ: ''آپؓ نے امتِ مسلمہ میں خانہ جنگی اور کینہ پروری کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لیے اپنے اقتدار و اختیار کو ٹھوکر مار دی''۔

شرح: اس شعر میں امام حسنؓ کے تفویضِ خلافت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس واقعہ کی پہلے سے خبر دی تھی۔ ابو بکرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے دیکھا رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہیں، حسنؓ بن علیؓ آپؐ کے پہلو میں ہیں، کبھی آپ لوگوں پر توجہ فرماتے ہیں اور کبھی اُنؓ پر، اور فرما رہے ہیں: ''بے شک میرا یہ بیٹا سید (بلند ہمت سردار) ہے، اور ہو سکتا ہے کہ اللہ اس کے ذریعے مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کروائے۔'' (بخاری، مشکوۃ: ۵۶۹، مناقب اہل بیتؓ)

اِس روایت سے ایک بات یہ معلوم ہوئی کہ امام حسنؓ کی صلح بالکل بجا اور درست تھی اور دوسری یہ کہ دونوں گروہ مسلمان تھے۔

(۹) واں دگر مولائے ابرارِ جہاں
قوتِ بازوئے احرارِ جہاں

ترجمہ: ''اور دوسرے (امام حسینؓ) دنیا بھر کے نیک لوگوں کے مولا اور حریت پسندوں کی قوتِ بازو ہیں''۔

(۱۰) در نوائے زندگی سوز از حسینؓ
اہلِ حق حریت آموز از حسینؓ

ترجمہ: ''زندگی کی آواز میں سوز حسینؓ سے ہے اور اہلِ حق حریت کا درس حسینؓ سے سیکھتے ہیں''۔

حسنینؓ کے کارناموں میں سیدہ فاطمہؓ کا کردار

(۱۱) سیرتِ فرزندہا از اُمہات
جوہرِ صدق و صفا از اُمہات

ترجمہ: ''بیٹوں کا کردار ماؤں کا مرہونِ منت ہوتا ہے، انہیں صدق و صفا کا جوہر ماؤں سے ملتا ہے''۔

لہٰذا حسنینؓ کریمین کے کارنامے درحقیقت سیدہ فاطمہؓ کی تربیت کا ظہور ہیں۔

سیرتِ سیدہ فاطمہؓ

(۱۲) مزرعِ تسلیم را حاصل بتولؓ
مادراں را اسوۂ کامل بتولؓ

ترجمہ: ''تسلیم و رضا کی کھیتی کا حاصل بتولؓ ہیں، ماؤں کے لیے اسوۂ کامل

بتولؓ ہیں''۔

شرح: خواتین میں عموماً بے صبری اور ناشکری زیادہ ہوتی ہے، اور اس کے نتیجے میں زندگی تلخ اور اولاد بے راہ ہو جاتی ہے۔ اس لیے خواتین کو چاہیے کہ سیدہ فاطمہؓ کو اپنے لیے اسوہ اور نمونہ بنائیں کہ عُسرت، مشقت اور فاقہ کشی کے باوجود کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہیں آیا، ہمیشہ شریعت کی پابند اور اللہ کے فیصلوں پر راضی رہیں اور اولاد کی ایسی تربیت کی کہ آج پوری دنیا اُن کی خوشبو سے مہک رہی ہے۔

(۱۳) بہرِ محتاجے دلش آں گونہ سوخت

بایہودے چادرِ خود را فروخت

ترجمہ: ''ایک محتاج کی مدد کے لیے آپؓ کا دل اتنا بے قرار ہوا کہ آپؓ نے اپنی چادر ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دی''۔

شرح: آپؓ کے در سے کوئی سائل خالی ہاتھ نہ جاتا تھا، خواہ اس کے لیے آپؓ کو اپنی اشیاء ضرورت فروخت کرنا پڑتیں۔ بے زری آپؓ کو غریبوں کی مدد سے روک نہ سکی۔ گویا سخاوت میں بھی آپؓ اپنے والدِ گرامی ﷺ کا عکسِ جمیل تھیں۔

(۱۴) نوری و ہم آتشی فرمانبرش

گم رضایش در رضائے شوہرش

ترجمہ: ''نوری اور آتشی (فرشتے اور جن) آپؓ کے فرماں بردار تھے، اس کے باوجود آپؓ نے اپنی رضا شوہر (علیؓ) کی رضا میں فنا کر دی'' (یعنی اپنے شوہرؓ کی فرماں بردار رہیں۔)

اس سے معلوم ہوا کہ بیوی کتنی ہی بلند مرتبہ کیوں نہ ہو، شوہر کی رضا اور احترام اُس کے لیے ضروری اور باعثِ شرف ہے۔

(۱۵) آں ادب پروردۂ صبر و رضا

آسیا گردان و لب قرآں سرا

ترجمہ: ''وہ عظیم خاتون، جو صبر و رضا (یعنی محمد اور خدیجہ علیہما الصلوٰۃ والسلام) کی آغوشِ ادب میں پلی ہوئی تھیں، چکی پیس رہی ہوتیں اور لب قرآن کی تلاوت کر رہے ہوتے''۔

شرح: آپؓ اتنی صابرہ و شاکرہ تھیں کہ گھر کے تمام کام کاج کرتیں، یہاں تک کہ چکی چلانے کی مشقت بھی جھیلتیں، لیکن ناخوش نہ ہوتی تھیں، اور یہ گھر داری آپؓ کی عباداتِ الٰہی میں مزاحم نہ ہوتی، بلکہ اس دوران میں بھی آپؓ تلاوتِ قرآنِ مجید کرتی رہتیں۔

اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کی فرماں برداری اور اہل خانہ کی خدمت گزاری خاتونِ اسلام کے لیے باعثِ ذلت نہیں، بلکہ باعثِ عزت ہے، اور اگر خاتون چاہے تو اس مصروفیت کے ساتھ بھی عبادت کر سکتی ہے...... کام کاج کرتے ہوئے تلاوت یا ذکر دنیا اور آخرت دونوں کے لیے فائدہ مند ہے، اخروی فائدہ یہ کہ وقت عبادت میں گزرے گا، غیبت، چغلی اور لغو باتوں سے بچ جائے گی اور جو اِن اخلاقی برائیوں سے بچ گئی، وہ جہنم سے بچ کر جنت میں داخل ہو گئی۔ اور دنیوی فائدے یہ کہ تلاوت اور ذکر سے مشقت آسان ہو جاتی ہے، رزق میں برکت ہوتی ہے، گھر کی حفاظت ہوتی ہے، اولاد خوش نصیب ہوتی ہے، گھریلو جھگڑوں سے بچی رہتی ہے اور سکون کی دولت حاصل ہوتی ہے۔

اے کاش! عصرِ حاضر کی خاتونِ اسلام سیدہ فاطمہؓ کا یہ اسوہ اپنا لے اور گانوں کے بول گنگنانے کے بجائے تلاوت اور ذکر کو اپنا معمول بنا لے! اے کاش!

(۱۶) گریہ ہائے اُو ز بالیں بے نیاز

گوہر افشاندے بدامانِ نماز

ترجمہ: ''آپؓ کے گریے تکیے سے بے نیاز تھے / آپؓ نے کبھی تکیے پر آنسو نہیں بہائے، ہاں نماز کے دامن (مصلّے) پر موتی ضرور گرائے''۔

شرح: بے صبر عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ جب غصہ آتا ہے تو تکیے میں سر دے کر روتی ہیں۔ سیدہ فاطمہؓ پیکرِ صبر و رضا تھیں، آپؓ نے دنیوی تنگی سے تنگدل ہو کر کبھی اپنے آنسو تکیے پر نہیں بہائے، کہ راتوں کو آپؓ کا سر تکیے پر نہیں، اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہوتا تھا، آپؓ آنسوؤں کے موتی اللہ کی بارگاہ میں لٹاتیں اور اپنا حال اُسی کو سناتیں، آپؓ کا رونا اللہ کی محبت اور خشیت کی وجہ سے ہوتا تھا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ستودہ صفات ہی سب سے اعلیٰ و ارفع ہے، کوئی کتنا بڑا کیوں نہ ہو، اُس کا بندہ ہے، سب اُسی کے محتاج اور نیازمند ہیں، وہی سب کا حاجت روا ہے۔

(۱۷) اشکِ اُو برچید جبریلؑ از زمیں
ہمچو شبنم ریخت بر عرشِ بریں

ترجمہ: ''آپؓ کے آنسو جبریلِ امینؑ زمین سے چن لیتے اور شبنم کی طرح انہیں عرش بریں پر بکھیر دیتے''۔

شرح: نماز کے دوران میں اللہ کی خشیت سے بہے ہوئے آپؓ کے آنسو اللہ تعالیٰ کو اتنے پسند آتے کہ جبریلِ امینؑ انہیں چن کر لے جاتے اور زینت کے لیے شبنم کی طرح عرشِ بریں پر بکھیر دیتے، گویا اللہ تعالیٰ کی یاد میں بہے ہوئے آنسو فوراً قرب اور قیمت پاتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ''اللہ تعالیٰ کو کوئی چیز دو قطروں سے زیادہ پیاری نہیں لگتی، ایک اللہ کی خشیت سے بہے ہوئے آنسوؤں کا قطرہ اور دوسرا اللہ کے

راستے میں بہائے گئے خون کا قطرہ۔'' (ترمذی عن ابی امامہؓ مشکوٰۃ: ۳۳۳)

یہ دونوں قطرے ہمیں اِس پاک گھرانے میں دکھائی دیتے ہیں، آنسوؤں کا قطرہ سیدہؓ کی آنکھوں سے اور خون کا قطرہ حسینؓ کے گلے سے، اسی لیے یہ گھرانا اللہ کو بہت پیارا ہے۔ (اس شعر میں اشک ہائے شب کی شبنم سے تشبیہ خوب ہے!)

نذرِ مودّت

(۱۸) رشتۂ آئینِ حق زنجیرِ پاست
پاسِ فرمانِ جنابِ مصطفیٰؐ است

ترجمہ: ''دینِ حق کا رشتہ (حکم) میرے پاؤں کی زنجیر بنا ہوا ہے اور مجھے جنابِ مصطفیٰ ﷺ کے فرمان کا پاس ہے''۔

(۱۹) ورنہ گردِ تربتش گردیدمے
سجدہ ہا برخاکِ اُو پاشیدمے

ترجمہ: ''ورنہ میں آپؓ کی تربت کے گرد طواف کرتا اور آپؓ کی خاک پاک پر سجدوں کے پھول بکھیرتا''۔ (رموزِ بے خودی: ۱۵۲)

شرح: اس شعر میں نہایت بلیغ و جمیل نذرانۂ مودّت ہے، اور اس کے ساتھ یہ پیغام بھی ہے کہ کتنی بڑی شخصیت ہو اور اس سے کتنی ہی ارادت ہو، حدودِ شرع کا احترام بہرطور لازم ہے، یہی اہل بیتؓ کی تعلیم بھی ہے۔

....

دوسرے مقام پر 'خاتونِ اسلام' سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فطرتِ تو جذبہ ہا دارد بلند
چشمِ ہوش از اسوۂ زہراؑ مبند
تا حسینے شاخِ تو بار آورد
موسمِ پیشیں بگلزار آورد

ترجمہ: ''تیری فطرت بلند جذبات اور اعلیٰ صلاحیتوں کی حامل ہے، تو فاطمہؑ زہرا کے اسوۂ حسنہ سے ہوش کی آنکھ بند نہ رکھ، تاکہ تیری شاخ کسی حُسین سے بار آور ہو، جو گلزارِ امت میں وہی پہلی بہار لے آئے''۔ (رموزِ بے خودی:۱۵۵)

....

ایک اور جگہ 'دخترِ ملت' سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

اگر پندے ز درویشے پذیری
ہزار امت بمیرد، تو نہ میری
بتولے باش و پنہاں شو ازیں عصر
کہ در آغوش شبیرے بگیری

ترجمہ: ''اگر تو ایک درویش کی نصیحت پلے باندھ لے تو ہزار قومیں مر جائیں، تو نہیں مرے گی، تو بتول بن اور اِس زمانے کی نگاہوں سے چھپ جا، تاکہ تیری گود میں کوئی شبیر پرورش پائے''۔ (ارمغان حجاز:۹۴)

ان اشعار میں اقبال نے خواتینِ اسلام کو یہ نصیحت کی ہے کہ عصرِ حاضر کے پرفریب چال چلن، کھوکھلی زندگی اور غیروں کی نقالی سے اپنے آپ کو بچائیں، اور

اولاد کی تربیت اُن خطوط پر کریں، جو سیدہ زہراؑ نے عطا فرمائے ہیں، تاکہ کوئی حسینی پیدا ہو، جو طاغوتی نظام کے سامنے ڈٹ جائے، ابلیسی نیٹ ورک توڑ دے اور امت کو ظلم و جور سے نجات دلائے۔

ان اشعار سے معلوم ہوا کہ خواتینِ اسلام کے لیے سیدہ فاطمہ زہراؑ اور فرزندانِ اسلام کے لیے امامِ حسینؑ اسوۂ حسنہ ہیں، اور ایسے پاکیزہ کردار کی حامل خواتین اور بلند ہمت نوجوان ہی ہمارا روشن مستقبل ہیں۔

اپنے شاعر اور حکیم الامت کے اس ارشاد کے مطابق جب تک ہم اداکاروں، فنکاروں، بھانڈوں، گویّوں، مفاد پرست لیڈروں اور غیر ملکی ایجنٹوں کو چھوڑ کر اِن پاک طینت شخصیتوں کو اپنا اُسوہ نہیں بناتے، منزلِ مراد تک نہیں پہنچ سکتے۔

....

والدین کریمینؑ کی سیرتوں کے مطالعہ کے بعد اب فکرِ اقبالؒ میں اُن کے فرزندِ ارجمند حسینؑ کی سیرت کا مطالعہ کرتے ہیں کہ جس کے والدینؑ ایسے ہوں، اُن کا لختِ جگر، نورِ نظر کیسا ہوگا! لیکن پہلے نظامِ خلافت وملوکیت!

اسلامی تعلیم اور فکرِ اقبال میں

نظامِ خلافت وملوکیت

انسانی معاشرہ فطری طور پر تنظیم چاہتا ہے اور تنظیم کے لیے نظام کی ضرورت ہے، بعثتِ نبوی کے وقت دنیا میں جو نظامِ حکومت رائج تھا، وہ وراثت، آمریت، جبرو تشدد، استبداد و تسلط، مطلق العنانی، نسلی، علاقائی اور لسانی امتیاز، غربت اور ضرورت کے استحصال اور طبقاتی تقسیم پر مبنی نظام تھا۔ نبی رحمت ﷺ نے اس کی جگہ جو نظامِ حکومت رائج فرمایا، وہ عبادت، نیابت، امانت، حریت، مساوات اور اخوت پر مبنی نظام تھا۔ اول الذکر نظام ملوکیت اور ثانی الذکر نظام خلافت کہلاتا ہے۔

سیدنا امام حسینؓ کے قیام اور جدوجہد کا پس منظر چونکہ خلافت وملوکیت ہی ہے، اس لیے اولاً اسلامی تعلیم میں اور ثانیاً فکرِ اقبالؒ میں نظامِ خلافت وملوکیت کا مطالعہ کرتے ہیں۔

خلافت وملوکیت میں فرق خود رسول اللہ ﷺ نے تعلیم فرمایا ہے، چند روایتیں ہدیۂ قارئین ہیں:

(۱) ابوعبیدہؓ اور معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''اسلامی حکومت کا آغاز تو نبوت ورحمت سے ہوا ہے، پھر خلافت ورحمت کا دور آئے گا، پھر ایسی ملوکیت ہوگی جس میں ظلم اور اذیت پائی جائے گی، پھر ملوکیت سراسر جبر وقہر، تکبر اور فساد فی الارض ہو جائے گی، بادشاہ ریشم کو، بدکاری کو اور شرابوں کو حلال قرار دے لیں گے، اس کے باوجود انہیں رزق

بھی ملے گا اور اُن کی مدد بھی ہوگی، یہاں تک کہ اللہ سے جا ملیں گے۔

(مشکوٰۃ، باب الانذار والتحذیر)

(۲) رازدارِ نبوت حذیفہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جب تک اللہ چاہے گا تم میں نبوت رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسے اٹھا لے گا...... پھر خلافت علیٰ منہاج النبوت کا دور آئے گا اور جب تک اللہ چاہے گا، خلافت رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسے بھی اٹھا لے گا...... پھر کاٹ کھانے والی ملوکیت آئے گی اور جب تک اللہ چاہے گا، رہے گی، پھر اللہ تعالیٰ اسے بھی اٹھا لے گا...... پھر خلافت علیٰ منہاج النبوت کا دور آئے گا...... اتنا فرما کر آپؐ خاموش ہو گئے۔'' (مشکوٰۃ، باب الانذار والتحذیر)

(۳) رسول اللہ ﷺ کے غلام سفینہؓ سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا:

''خلافت تیس برس رہے گی، پھر ملوکیت آئے گی۔'' (مشکوٰۃ، کتاب الفتن)

(۴) ایک مرتبہ ایک شخص رسول اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ کو دور ہی دیکھ کر لرزنے لگا، تو آپؐ نے فرمایا: ھَوِّن علیک، لست بمَلِک، ڈرو نہیں، میں کوئی بادشاہ نہیں ہوں۔ (بخاری)

رسول اکرم ﷺ کی بے مثال تربیت سے صحابہ کرامؓ کی جو پاکیزہ جماعت تیار ہوئی، وہ خلافت اور ملوکیت کے درمیان فرق سے بخوبی آگاہ تھی، چند حکایتیں اس سلسلے میں بھی:

(۱) ابوبکر صدیقؓ نے منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے بعد پہلی بار جب قوم سے خطاب کیا، تو آپؓ نے کہا تھا: ''آج روئے زمین کے بادشاہ کہاں

ہیں؟ وہ فنا ہو چکے، ہم نے روے زمین پر خلافت قائم کی ہے، اگر ہم نے بھی اُن کی روش اختیار کی، تو ہم بھی اُن کی طرح نیست و نابود ہو جائیں گے۔" (تاریخ طبری: ۳/۳۱۱)

(۲) عہد فاروقی کا یہ واقعہ مشہور و معروف ہے کہ جب روم کا سفیر مدینہ پہنچا اور اس نے دریافت کیا کہ تمہارا بادشاہ کہاں ہے؟ تو اس کو صحابہؓ کی طرف سے جواب ملا تھا: "مالنا مَلِک بل لنا أمیر" ہمارا کوئی بادشاہ نہیں ہے، ہاں ہمارا امیر ضرور ہے۔

(۳) ایک مرتبہ حضرت عمرؓ محاسبۂ نفس کرتے ہوئے اپنے بارے میں متفکر تھے، اس پر ایک شخص نے عرض کیا:
امیر المؤمنین! بادشاہ اور خلیفہ میں فرق ہے۔
خلیفہ کی شان یہ ہے کہ وہ ناحق وصول کرتا ہے نہ بے جا خرچ کرتا ہے، بحمداللہ آپ ایسے ہی ہیں۔
بادشاہ وہ ہے جو رعیت پر جبر کرے، جس سے جتنا چاہے لے اور جسے جتنا چاہے دے، کسی ضابطہ کا پابند نہ ہو۔" (تاریخ الخلفاء: ۱۴۳)

(۴) جنگ یرموک (۵ رجب ۱۵ھ) میں خالدؓ بن ولید کی رومی سپہ سالار باہان سے ملاقات ہوئی، "باہان نے حضرت عیسیٰؑ کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا: ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا ترجمہ پورا نہ کر پایا تھا کہ خالدؓ نے باہان کو ٹوک دیا اور کہا: تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہوگا، لیکن ہم نے جسے سردار بنا رکھا ہے، اُس کو ایک لمحہ کے لیے اگر بادشاہی کا خیال آ جائے تو ہم فوراً اس کو معزول کر دیں۔" (الفاروق: ۱۲۸)

اور اب فکرِ اقبالؒ میں نظامِ خلافت و ملوکیت!

اقبال ملتِ اسلامیہ کو حضرت فاروق اعظمؓ کا یہ پیام سناتے ہیں:

خلافت فقر با تاج و سریر است
زہے دولت کہ پایاں ناپذیر است
جواں بختا! مدہ از دست ایں فقر
کہ بے اُو پادشاہی زود میر است

ترجمہ: "خلافت تاج و تخت کے ساتھ فقر (کا نظام) ہے، یہ دولت کیا خوب ہے کہ زوال پذیر نہیں، اے جواں بخت! یہ دولتِ فقر ہاتھ سے جانے نہ دینا کہ اس کے بغیر حکومت جلد فنا ہو جاتی ہے"۔ (ارمغانِ حجاز: ۷۹)

....

پھر ملّت اسلامیہ کو خلافت و ملوکیت، کے درمیان فرق سمجھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

عرب خود را بہ نورِ مصطفیؐ سوخت
چراغِ مردۂ مشرق بر افروخت
ولیکن آں خلافت راہ گم کرد
کہ اوّل مومناں را شاہی آموخت!

ترجمہ: "(قرن اوّل میں) عرب نے اپنے آپ کو نورِ مصطفیٰ ﷺ سے منور کر کے مشرق کا مردہ چراغ روشن کیا، لیکن اب وہ اُس خلافت کی راہ گم کر بیٹھے، جس نے پہلے پہل مسلمانوں کو اندازِ حکمرانی سکھایا تھا۔" (ارمغانِ حجاز: ۸۹)

....

خلافت برمقامِ ما گواہی است
حرام است آنچہ برما پادشاہی است
ملوکیت ہمہ مکر است و نیرنگ
خلافت حفظِ ناموسِ الٰہی است

ترجمہ: ''خلافت ہمارے مقامِ بلند (خلیفۃ اللہ فی الارض) پر شہادت ہے، وہ جو ہم پر حرام ہے، وہ نظام پادشاہی ہے، نظامِ ملوکیت سراسر مکروفریب ہے، جبکہ نظامِ خلافت ناموسِ الٰہی (آئینِ الٰہی) کی حفاظت کا نام ہے۔'' (ارمغانِ حجاز: ۹۰)

....

ہنوز اندر جہاں آدم غلام است
نظامش خام و کارش ناتمام است
غلامِ فقرِ آں گیتی پناہم
کہ در دینش ملوکیت حرام است

ترجمہ: ''ابھی تک جہان میں انسان (انسان کا) غلام ہے، اس کا نظامِ (حکومت) ابھی تک خام اور اس کا کاروبارِ (زندگی) ناتمام ہے۔ میں تو اُس جہاں پناہ ﷺ کے فقر کا غلام ہوں کہ جن کے دین میں ملوکیت حرام ہے''۔ (ارمغانِ حجاز: ۹۰)

....

کہیں بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں یوں عرض کناں ہوتے ہیں:

ملوکیت سراپا شیشہ بازی است
ازو ایمن نہ رومی، نے حجازی است

حضورِ تو غمِ یاراں بگویم
بامیدے کہ وقتِ دل نوازی است!

ترجمہ: ''ملوکیت سراپا حیلہ گری اور مکاری ہے، اس سے رومی مسلمان بچا نہ حجازی، (ہر جگہ نظام ملوکیت رائج ہے) میں آپؐ کے حضور یاروں (نظامِ خلافت چاہنے والوں) کا غم بیان کر رہا ہوں، اس امید پر کہ یہ وقتِ دل نوازی ہے!'' (آپؐ ضرور دل نوازی اور چارہ سازی فرمائیں گے۔) (ارمغانِ حجاز: ۳۵)

....

فرعون کی زبانی ملوکیت کے مکروہ چہرے سے نقاب اٹھاتے ہوئے فرماتے ہیں:

چیست تقدیرِ ملوکیت؟ شقاق
محکمی جُستن ز تدبیرِ نفاق!

ترجمہ: ''ملوکیت کا اندازِ حکمرانی کیا ہے؟ پھوٹ ڈالنا اور حیلۂ نفاق سے استحکام حاصل کرنا۔''

از بدآموزی زبوں تقدیرِ ملک
باطل و آشفتہ تر تدبیرِ ملک!

ترجمہ: ''اس بدعنوانی کی وجہ سے ملک کی قسمت بگڑ جاتی ہے اور ملک کا نظام ابتر اور پریشان تر ہو جاتا ہے۔'' (جاوید نامہ: ۹۵)

....

نظم ''اشتراک و ملوکیت'' میں ملوکیت کی اصلیت یوں بیان فرمائی:

ہم ملوکیت بدن را فربہی است
سینۂ بے نورِ اُو از دل تہی است!

ترجمہ: ''(اشتراکیت کی طرح) ملوکیت (سرمایہ داری) بھی تن پروری ہے، اس کا بے نور سینہ دل سے خالی ہے''۔

سرمایہ داری نظامِ ملوکیت ہی کا ایک رنگ ہے، اور اس کی بنیاد انسان دوستی اور روحانیت کے بجائے مادیت اور ذاتی مفاد پر ہے۔

مثلِ زنبورے کہ بر گل می چرد
برگ را بگذارد و شہدش برد

ترجمہ: ''ملوکیت شہد کی مکھی کی طرح ہے کہ پھول پر چرتی رہتی ہے، پتے چھوڑ دیتی ہے اور ان کا شہد نچوڑ لیتی ہے''۔

شاخ و برگ و رنگ و بوئے گل ہماں
بر جمالش نالۂ بلبل ہماں

ترجمہ: ''(مکھی کے شہد چوسنے کے بعد) پھول کی شاخ، پتے، رنگ اور خوشبو تو وہی ہیں (جو پہلے تھے) اور اس کے جمال پر نالۂ بلبل بھی اسی طرح ہے''۔ (جیسے پہلے تھا، یعنی صورت تو برقرار رہی لیکن حقیقت باقی نہ رہی۔)

از طلسم و رنگ و بوئے اُو گذر
ترکِ صورت گوئے و در معنی نگر

ترجمہ: ''تو اس کے طلسم اور رنگ و بو سے گزر جا، صورت چھوڑ اور حقیقت پر غور کر''۔

نظامِ ملوکیت میں عوام بظاہر خوشحال دکھائی دیتے ہیں، لیکن اُن کا ضمیر مردہ ہو چکا ہوتا ہے۔

مرگِ باطن گرچہ دیدن مشکل است
گُل مخواں اُو را کہ در معنی گِل است!

ترجمہ: ''باطن کی موت دیکھنا اگرچہ بہت مشکل ہے (لیکن دیکھ) اب اسے گُل (پھول) نہ کہہ کیونکہ حقیقت میں یہ گِل (مٹی) ہے''

اسی طرح نظامِ ملوکیت عوام کا رس چوس لیتا ہے اور انہیں مٹی کا مادھو بنا دیتا ہے۔

(جاوید نامہ: ۶۴)

....

دوسرے مقام پر جمال الدین افغانی کے پیغام میں ملت اسلامیہ کو جھنجھوڑتے ہوئے فرماتے ہیں:

منزل و مقصودِ قرآں دیگر است
رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

ترجمہ: ''قرآن مجید کی منزل اور مقصود کچھ اور ہے (یعنی نظامِ خلافت لیکن آج کل) مسلمان کا طرز و آئینِ حکومت کچھ اور ہے''۔ (یعنی نظامِ ملوکیت)

در دلِ اُو آتشِ سوزندہ نیست
مصطفیؐ در سینۂ اُو زندہ نیست

ترجمہ: ''اس کے دل میں آتشِ سوزاں نہیں ہے، اس کے سینے میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت زندہ نہیں ہے''۔

یعنی مؤمن کا دل باطل سوز حرارتِ ایمانی سے خالی ہو چکا، حضور ﷺ کی محبت دنیوی محبت سے مغلوب ہو چکی ہے، اس کی سزا میں وہ باطل قوتوں کا محکوم ہے۔

بندۂ مومن ز قرآں بر نخورد
در ایاغِ اُو مے دیدم نہ دُرد

ترجمہ: ''بندۂ مومن قرآنِ عظیم سے فائدہ نہیں اٹھا رہا، میں اس کے ساغر

میں شراب دیکھتا ہوں نہ تلچھٹ''۔

یعنی اس کی زندگی میں قرآن کی نورانی تعلیمات کی کوئی جھلک دکھائی نہیں دیتی۔

خود طلسمِ قیصر و کسریٰ شکست
خود سرِ تختِ ملوکیت نشست

ترجمہ: ''قیصر وکسریٰ کا طلسم خود مسلمان نے توڑا، پھر خود ہی تختِ ملوکیت پر بیٹھ گیا''۔

یعنی دنیا میں نظامِ ملوکیت کا طلسم توڑ کر نظامِ خلافت خود مسلمانوں نے قائم کیا، لیکن کچھ مدت بعد اس راہ سے ہٹ گئے اور نظامِ ملوکیت کے اسیر ہو گئے۔

تا نہالِ سلطنت قوت گرفت
دینِ اُو نقش از ملوکیت گرفت

ترجمہ: ''جوں جوں اقتدار کا پودا توانا ہوا، اُس کے دین پر ملوکیت کی چھاپ لگتی گئی''۔

یعنی خلافت دب گئی، حکومت و ریاست مقصود قرار پائی، دین کی حیثیت ثانوی ہو گئی، یہی ملوکیت ہے۔

از ملوکیت نگہ گردد دگر!
عقل و ہوش و رسم و رہ گردد دگر!

ترجمہ: ''ملوکیت سے نگاہ بدل جاتی ہے، عقل و ہوش اور رسم و راہ سب بدل جاتے ہیں''۔ (جاوید نامہ: ۷۸)

ملوکیت ایسا نظام ہے جو اندازِ نگاہ، اندازِ فکر اور اندازِ زندگی سب کچھ بدل ڈالتا ہے، پھر ارکانِ ملوکیت اپنے آپ کو انسان نہیں بلکہ خدا سمجھنے لگتے ہیں۔

تاریخِ اسلام میں ملوکیت کی ابتدا

۵۶ ھ میں یزید کی بطورِ ولی عہد تقرری سے ملوکیت کی راہ ہموار ہوئی اور رجب ۶۰ ھ میں وراثت کے دروازے سے یزید کی آمد اور تخت نشینی کے ساتھ تاریخِ اسلام میں نظامِ خلافت کا خاتمہ اور نظامِ ملوکیت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔

اقبالؒ نے سطورِ بالا میں ملوکیت کے جن لوازم اور عناصر کی نشاندہی کی ہے، ملوکیت اپنے آغاز سے ہی ان لوازم کے ساتھ وجود میں آئی۔ مکاری، عیاری، عیاشی، سفاکی اور تخت نشین کی خدائی کے بیج ۶۰ ھ میں ہی بو دیے گئے تھے اور جب ذی الحجہ ۶۳ ھ میں ملوکیت کا یہ نہال بدخصال اپنے برگ و بار لایا تو سب نے دیکھ لیا کہ ملوکیت کس شجرۂ خبیثہ کا نام ہے؟

اس وقت ''تاریخ خلیفہ بن خیّاط'' ہمارے سامنے ہے، اسلامی تاریخ کے دوسو بتیس (۲۳۲) سال کا قدیم ترین اور مستند ترین ماخذ۔ اسے امام، حافظ، علامہ خلیفہ بن خیّاط بن خلیفہ بن خیّاط عَصفَری بصریؒ نے اپنی اسانید سے مرتب کیا ہے۔ خلیفہ قریباً اسی (۸۰) برس کی عمر پا کر ۲۴۰ھ/۸۵۴م میں اس دارِفانی سے رخصت ہوئے۔ اپنے دور کے ثقہ اور جلیل القدر محدث اور مؤرخ، نامور محدثین سے علم حدیث حاصل کیا اور آپ کے تلامذہ میں امام بخاریؒ جیسے عظیم محدث شامل ہیں۔ صحیح بخاری میں آپ سے سات سے زیادہ احادیث مروی ہیں۔

آپ نے یہ کتابِ تاریخ سن وار مرتب کی ہے اور اس میں راویوں کی ثقاہت وصداقت کا بطورِ خاص خیال رکھا ہے۔ آپ ابو مخنف لوط بن یحییٰ اور سیف بن عمر جیسے تہمت یافتہ اور ضعیف راویوں سے روایت نہیں لیتے بلکہ ولید بن ہشام، یزید بن زریع، ابوالیقظان، اسماعیل بن علیہ اور مدائنی جیسے ثقہ راویوں پر اعتماد واستناد کرتے ہیں۔ (سہیل زکار، مقدمہ تاریخِ خلیفہ)

خلیفہ نے ٦٣ھ کے واقعات کے ذیل میں **سانحۂ حرّہ** کی جو تفصیلات بیان کی ہیں، وہ ملوکیت کی حقیقت اور یزیدی استبداد کا سیاہ چہرہ دیکھنے کے لیے کافی ہیں، خیال رہے کہ خلیفہ سیاسی اعتبار سے عثمانی میلانات رکھتے تھے!

سانحۂ حرّہ کا پس منظر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

(ملخّص ترجمہ) "٦٢ھ میں **عثمان بن محمد بن ابی سفیان** کی امارت میں حج ہوا، حج کے بعد وہ مدینہ آیا، ایک ماہ وہیں رہا (امام حسینؓ کی شہادت کے بعد پورے ملک میں ایک بے چینی تو پھیلی ہوئی تھی اور **یزید** کے کردار سے لوگ نفرت کرتے تھے۔ **عثمان** نے اس خیال سے کہ لوگ **یزید** سے خود ملیں گے تو اس کے "حسنِ سلوک" سے متاثر ہوں گے، اور یہ نفرت اور بے چینی ختم ہو جائے گی) اس نے انصاری اور قریشی معززین مدینہ پر مشتمل وفد **یزید** کے پاس بھیجا۔ یہ وفد (جب یزیدی مشاغل کا بچشمِ خود مشاہدہ کر کے) واپس مدینہ آیا تو اُس کا حالِ بد بیان کیا، اُس سے برأت کا اعلان کیا اور بیعت توڑ ڈالی۔ **حضرت حنظلہؓ غسیل الملائکہ** کے فرزند حضرت **عبدؓاللہ** اپنے آٹھ بیٹوں کے ساتھ اس وفد میں شامل تھے۔ **یزید** نے (ملوکانہ برتاؤ کرتے ہوئے) **عبدؓاللہ** کو ایک لاکھ اور ان کے ہر بیٹے کو دس، دس ہزار درہم کا خصوصی عطیہ دیا، پارچات اور بار بردار جانور اس کے علاوہ تھے۔

عبداللہ بن حنظلہؓ جب مدینہ واپس پہنچے تو لوگوں نے احوال دریافت کیے، فرمایا: "میں ایک ایسے شخص سے مل کر آیا ہوں کہ واللہ! اگر کوئی بھی میرا ساتھ نہ دے تو میں صرف اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر اس سے جہاد کروں"۔

لوگوں نے کہا: ہمیں تو پتہ چلا ہے کہ اس نے آپ کا بہت اعزاز و اکرام کیا ہے؟!

فرمایا: "بالکل ٹھیک ہے، لیکن میں نے اُس کا عطیہ صرف اس خیال سے قبول کیا ہے تاکہ اُس کے خلاف جہاد میں استعمال کروں"۔

اس کے بعد آپ نے لوگوں کو جہاد کی ترغیب دی، لوگوں نے آپ کے

ہاتھ پر بیعت کی اور یزیدی عامل اور دوسرے امویوں کو مدینہ سے نکال باہر کیا۔

یزید کو جب یہ خبر ملی تو اس نے **مسلم بن عُقبَہ مُرّی** کی قیادت میں مدینہ طیبہ پر حملہ کرنے کے لیے ایک بڑا شامی لشکر روانہ کیا اور اس موقعے پر گستاخانہ اشعار بھی پڑھے۔

شامی لشکر مدینہ طیبہ پہنچا، اہل مدینہ: قریش، انصار اور اُن کے حلیف قبائل نے جم کر مقابلہ کیا، بالآخر مغلوب ہو گئے۔

معرکۂ حرّہ میں **قریش و انصار** کے تین سو چھ (306) افراد شہید ہوئے۔ (خلیفہ نے نام و نسب کی تعیین کے ساتھ ان شہداء کی تفصیل بیان کی ہے، اور یاقوت حموی نے "معجم البلدان" میں شہداء کی تعداد اس سے کہیں زیادہ ذکر کی ہے۔) ☆

☆ اولاً امام حسینؓ پھر اہل مدینہ اور پھر اہل مکہ کا قیام واقدام درحقیقت یہ ظاہر کر رہا ہے کہ اُس وقت کے صلحا و ابرار کے قلوب **یزید** کی امارت کو قبول نہیں کر رہے تھے، وہ **یزید** کی امارت میں زندگی بسر کرنے پر موت کو ترجیح دے رہے تھے۔ **خلیفہؒ** نے تو صرف مقابلے کا ذکر کیا ہے، لیکن اس کی تفصیل **الفخری** اور **ابن قتیبہ** کی روایت میں وارد ہوئی ہے کہ **یزید** کی ہدایت پر عمل کرتے ہوئے فتح کے بعد **مسلم بن عقبہ** نے مدینہ طیبہ کو شامی لشکر کے لیے تین دن تک حلال قرار دے دیا۔ چنانچہ ان تین دنوں میں مسجد نبوی میں اذان و جماعت نہ ہو سکی، صحابہؓ و تابعینؒ کی توہین کی گئی، انہیں ظلم و ستم کے ساتھ شہید کیا گیا، خواتین کی عصمت دری ہوئی، مدینہ طیبہ کی حرمت تین دن جی بھر کر پامال کی گئی، لوٹ مار کا بازار ایسا گرم ہوا کہ بے حیائی نے آنکھیں جھکا لیں، بے دردی، اور درندگی کی نئی داستان رقم ہوئی اور پھر اس شرمناک فتح پر **یزید** کو مبارک نامہ بھیجا گیا۔ (الامامۃ والسیاسۃ: ١/٢١٨ر٢١٧، الفخری: ١٠٧)

غضب بالائے غضب یہ ہے کہ یہ سب کچھ حرم میں، رسول اکرم ﷺ کے صحن میں اور واجب الاحترام مہینے ٢٧ ذی الحجہ ٦٣ھ میں ہوا، اہل بیت اطہارؓ کی بے حرمتی بھی واجب الاحترام ماہ محرم ٦١ھ میں ہوئی اور مکہ مکرمہ کا محاصرہ بھی محرم ٦٤ھ میں کیا گیا۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ **یزید** کو حرمت، اہلِ حرمت اور مقاماتِ حرمت سے طبعاً نفرت تھی۔ عجب نہیں کہ اہلِ حق اسے "پلید" کے لقب سے اِسی لیے یاد کرتے ہیں!

اس کے بعد مسلم بن عقبہ (فاتحانہ شان سے) مدینہ طیبہ میں داخل ہوا اور بچے کھچے لوگوں کو بیعت کے لیے بلایا اور انہیں اِن الفاظ میں بیعت پر مجبور کیا:

''انهم خول ليزيد بن معاوية يحكم في أهليهم ودمائهم و أموالهم ماشاء''

''ہم یزید کے غلام ہیں اور اُسے حق حاصل ہے کہ ہمارے اہل وعیال ہمارے خون اور ہمارے اموال کے بارے میں جو چاہے فیصلہ کرے''۔

یہاں تک کہ عبداللہ بن زمعہ کی باری آئی، ان کے یزید سے دوستانہ مراسم تھے۔ مسلم بن عقبہ نے انہیں بھی مذکورہ بالا الفاظ کے ساتھ بیعت پر مجبور کیا۔ انہوں نے کہا: میں تمہارے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں کہ میں امیر المؤمنین کا چچا زاد بھائی ہوں اور وہ میرے اہل وعیال اور میری جان و مال کے بارے میں فیصلے کا اختیار رکھتے ہیں''۔

مسلم بن عقبہ نے کہا: اس کی گردن قلم کردو۔

مروان کود کر درمیان آگیا اور انہیں اپنے ساتھ چمٹا لیا اور مسلم سے کہا: تمہاری خواہش کے مطابق تو بیعت کر رہا ہے (اور تم کیا چاہتے ہو؟)

مسلم نے کہا: (چونکہ اس نے اپنے آپ کو یزید کا غلام نہیں کہا، اس لیے) واللہ میں اس کی گردن اسے ہرگز نہیں لوٹاؤں گا...... اور حکم دیا...... اگر مروان ہٹ جائے تو بہتر، ورنہ دونوں کو اکٹھے قتل کردو۔

چنانچہ مروان نے انہیں چھوڑ دیا اور (صرف اِس قصور پر) ابن زمعہ کی گردن قلم کردی گئی۔

باپ کے بعد بیٹے کی باری آئی۔ یزید بن عبداللہ بن زمعہ کو بھی انہی الفاظ کے ساتھ بیعت کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے کہا:

''أبايعك على كتاب الله وسنّة نبيّه''

''میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر آپ کی بیعت کرتا ہوں''

اس پر یزیدی کمانڈر نے انہیں قتل کرنے کا آرڈر دیا (اور انہیں قتل کر دیا گیا)''۔

(تاریخ خلیفہ بن خیاط، ص:۱۸۱۔۱۹۲)

جی ہاں! یہ فرق ہے نظامِ خلافت اور نظامِ ملوکیت میں!

خلافت میں کتاب وسنت پر خلیفہ کی بیعت ہوتی ہے اور ملوکیت میں کتاب وسنت پر بیعت کرنے والا قتل کیا جاتا ہے۔

خلافت میں خلیفہ بھی اللہ کا بندہ، عوام بھی اللہ کے بندے، سب مل کر روئے زمین پر اللہ کی بندگی بجالاتے ہیں اور ملوکیت میں شاہ خود خدا بن بیٹھتا ہے اور عوام کو اپنی بندگی اور غلامی پر مجبور کرتا ہے۔

خلافت خدا کی خدائی کا نظام ہے اور ملوکیت شاہ کی خدائی کا نظام ہے۔

خلافت میں عوام کی جان و مال اور عزت، آبرو اُن کے اپنے ہاتھ میں ہوتی ہے اور خلافت انہیں تحفظ فراہم کرتی ہے، جبکہ ملوکیت میں عوام کی جان، مال، عزت، آبرو شاہ کے ہاتھ میں ہوتی ہے، جب چاہے چھین لے، جب چاہے مسل ڈالے، کوئی حرف زنی اور لب کشائی نہیں کرسکتا۔ (ہمارے ملک کا جاگیرداری سسٹم اسی ملوکیت کی ہی ایک شکل ہے)

خلافت عوام کی آزادی اور ان کے حقوق تسلیم کرنے کا نام ہے اور ملوکیت عوام کو غلام بنانے اور ان کے حقوق سلب کرنے کا نام۔

نظامِ خلافت میں خلیفہ کا مؤمنِ صالح ہونا ضروری ہے، جبکہ نظامِ ملوکیت میں سربراہ ایسا بھی ہوسکتا ہے، جیسا یزید تھا کہ حضرت عبداللہ ابن الزبیرؓ کو مکہ میں جب یزید کی بیعت کی دعوت دی گئی تو انہوں نے فرمایا: ''کیا تم مجھے ایک ایسے شخص کی بیعت کا

مشورہ دیتے ہو جو شراب پیتا ہے، نماز چھوڑ دیتا ہے اور شکار میں مشغول رہتا ہے؟''

(تاریخ خلیفہ:۱۹۴)

خلافت کے سپہ سالار ایسے ہوتے ہیں کہ لوگ اُن کے لیے رحمت کی دعائیں کرتے ہیں اور ملوکیت کے کمانڈر کا تذکرہ مورخین یوں کرتے ہیں: ''مسلم بن عقبہ مُرّی، اللہ کی اس پر رحمت نہیں بلکہ لعنت ہو!'' (تاریخ خلیفہ:۱۹۵)

''پھر اس کا نام مُسلِم نہیں مُسرِف پڑ گیا'' (الفخری:۱۰۷)

امام حسینؓ کی فراست

سیدنا امام حسینؓ کی فراست یہ ہے کہ لوگوں نے ملوکیت کے شجرۂ خبیثہ کو ۶۳ھ، ۶۴ھ میں بار آور ہونے کے بعد پہچانا، جبکہ امام حسینؓ نے اِس کے ثمراتِ خبیثہ کا اُس وقت ادراک کر لیا، جب ابھی اس کا تخمِ خبیث بویا جا رہا تھا، پھر اپنے قیام سے اُس نقطۂ انحراف کو متعین کر دیا، جہاں سے امت کی گاڑی خلافت کی پٹڑی سے اتر کر ملوکیت کی پٹڑی پر روانہ ہوئی۔

امت میں سب سے پہلے آپؓ نے اپنے اور اپنے اہل بیتؓ کے مقدس خون سے کربلا کے میدان میں نظامِ خلافت اور نظامِ ملوکیت کے درمیان ایسا تاباں اور درخشاں خطِ امتیاز قائم فرما دیا، جسے قیامت تک مٹایا نہیں جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ مقدس اور روشن لکیر نہ ہوتی تو خلافت، ملوکیت کے اندھیروں میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گم ہو جاتی۔ حضورِ اکرم ﷺ نے ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا ہے:

''مؤمن کی فراست سے ڈرو، کیونکہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔''

امام حسینؓ کا روشن کارنامہ اب ہر امّتی کو ہر دم یہ یاد دلاتا رہتا ہے:

با نشۂ درویشی درساز و دمادم زن

چوں پختہ شوی خودرا بر سلطنتِ جم زن

ترجمہ: ''نشۂ درویشی (فقیرانہ عشق) کا مزاج بنا اور (شرابِ عشق و فقر) دھڑا دھڑ پی (تاکہ رگ و پے میں سرایت کر جائے) جب (عشق اور فقر میں) پختہ ہو جائے (یعنی نشہ خوب چڑھ جائے) تو اپنے آپ کو سلطنتِ جم پر دے مار (اور نظامِ ملوکیت کو درہم برہم کر دے)''۔

در میکدہ ہا دیدم، شائستہ حریفے نیست

با رُستمِ دستاں زن، با مغبچہ ہا کم زن

ترجمہ: ''میں نے میکدے دیکھ لیے، ان میں کوئی شایانِ شان حریف نہیں ہے، رستم پہلوان (ملوکیت کے ایجنٹ اور زبردست) سے پنجہ آزمائی کر، مغبچوں (زیردستوں) سے معرکہ آرا ہونے کی ضرورت نہیں''۔ (زبورِ عجم:۷۵)

نشانِ خودی و شانِ بے خودی

امامِ حسین

سلام اللہ و رضوانہ علیہ

فکرِ اقبالؒ میں ملتِ اسلامیہ کے اساسی ارکان توحید و رسالت ہیں۔ کسی بھی قوم کی ذہنی، باطنی اور نظریاتی بنیاد اس وقت کمزور ہوتی ہے، جب یاس، حزن اور خوف کی بیماریاں اسے آ گھیرتی ہیں۔ ان بیماریوں کی جڑ توحید سے کٹتی ہے۔

اور قوم کا ظاہری سماجی، معاشی اور معیشی نظام جبر و استبداد اور طبقاتی تقسیم سے تباہ ہوتا ہے۔ اس کا علاج اقرارِ رسالت ہے، اس لیے کہ رسالتِ محمدیہ کا مقصود ایسا انسانی معاشرہ تشکیل دینا ہے جو حریت، مساوات اور اخوت کے عناصر سے مرکّب ہو۔

ملوکیت اپنے فطری تقاضے کے تحت فوراً انسانی خودی اور اسلامی حریت پر حملہ آور ہوتی ہے۔ اس لیے رسالتِ محمدیہ کے مقصود و مطلوب کے بالکل برعکس جب ملّتِ اسلامیہ میں ملوکیت کی بنیاد رکھی جاتی ہے تو امام حسینؑ نشانِ خودی اور نقیب حریت بن کر فوراً کھڑے ہو جاتے ہیں اور رسالتِ محمدیہ کے مقصود کی حفاظت اور ملّتِ اسلامیہ کی بقا کی خاطر......شانِ بے خودی سے......اپنا سب کچھ قربان کر دیتے ہیں۔

یہ معرکہ درحقیقت عشق و عقل کا معرکہ تھا، عشق و عقل کے درمیان یہ معرکہ آرائی نئی نہیں، بلکہ آدمؑ و ابلیس، ہابیلؑ و قابیل، ابراہیمؑ و نمرود، موسیٰؑ و فرعون، مسیحؑ و یہود اور محمد ﷺ اور طاغوت کے درمیان عشق اور عقل ہی کی جنگ تھی۔ حسین بن علیؑ و فاطمہؑ کے توسط سے نسبتِ عشق کے امین تھے اور یزید عقلِ ہوس پرور کا اسیر تھا، اس لیے یہاں بھی وہی معرکہ آرائی ہوئی جو ابتدائے آفرینش سے حق و باطل اور خیر و شر کی قوتوں کے درمیان ہوتی چلی آئی ہے۔ تو اقبال کے نزدیک حسینؑ اور کربلا ایک شخص اور مقام کا نام نہیں

بلکہ عشقِ ھُدیٰ پرور اور حریت و غیرت کے لافانی اور آفاقی کردار کا استعارہ ہیں۔

اقبال کے فلسفۂ خودی و بے خودی کی روشنی میں سیدنا علیؑ نشانِ خودی اور سیدہ فاطمہؑ زہرا شرفِ بے خودی ہیں تو امامِ حسینؑ کا لافانی کردار **مجمع البحرین** ہے یعنی نشانِ خودی اور شانِ بے خودی دونوں کا جامع ہے۔

اقبالؒ اپنی نظم "معنیٔ حرّیتِ اسلامیہ و سرِّ حادثۂ کربلا" میں اسی حقیقت کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ایمان

(۱) ہر کہ پیماں با ھوالموجود بست
گردنش از بندِ ہر معبود رَست

ترجمہ: "جس نے 'ھوالموجود' سے پیمانِ وفا باندھا، اس کی گردن ہر معبود کی قید سے رہا ہوگئی۔"

شرح: "ھوالموجود" یہ یقین کہ کائنات میں موجودِ حقیقی صرف اللہ ہے، باقی سب کا وجود واجب الوجود کا محتاج ہے اور ایسا ناپائیدار ہے گویا ہے ہی نہیں، لہٰذا کسی دوسرے وجود کا خوف کیسا؟ اور اُس سے امید کیوں؟ جسے یہ یقین نصیب ہو جائے وہ ہر طرح شرک اور باطل سے نجات پالیتا ہے۔

ایمان و عشق

(۲) مؤمن از عشق است و عشق از مؤمن است
عشق را ناممکنِ ما ممکن است

ترجمہ: ''مومن کا وجودِ (ایمانی) عشق سے ہے اور عشق کا وجودِ (نورانی) مؤمن سے ہے، ہمارا ناممکن عشق کے لیے ممکن ہوتا ہے۔''

شرح: ایمان اور عشق ایک دوسرے سے لازم وملزوم ہیں، ارشادِ ربانی ہے: ''والذین آمنوا اشد حبًا للہ'' (البقرۃ:۱۶۵) ''اور مومنوں کو اللہ سے شدید ترین محبت ہوتی ہے'' اسی شدید ترین محبت کا دوسرا عنوان عشق ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مؤمن کا دل عشق سے خالی نہیں ہوسکتا، اسی طرح عشق اپنے اظہار کے لیے مؤمن کے بغیر نہیں رہ سکتا، اور مؤمن کے ہاتھوں جو کارنامے ہوتے ہیں وہ دراصل عشق کی کارفرمائیاں ہوتی ہیں، اس لیے کہ عشق میں اتنی قوت ہوتی ہے کہ ناممکن دکھائی دینے والا کام عشق کے ہاتھوں ممکن ہوجاتا ہے۔ اقبالؒ دوسرے مقام پر فرماتے ہیں:

قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے

دہر میں اسمِ محمد ﷺ سے اجالا کر دے

نوٹ: پہلے شعر میں ایمان کا فائدہ بیان ہوا، دوسرے شعر میں ایمان اور عشق کا تلازم ارشاد فرمایا، یہ نظم چونکہ سرِّ کربلا کے اظہار کے لیے ہے، اور معرکہ کربلا دراصل عقل اور عشق کے درمیان مقاتلہ تھا، اس لیے اب عقل وعشق کا موازنہ کرتے ہیں، اور یہ موازنہ اقبالؒ کا محبوب موضوع ہے، اقبال عقل پر عشق کی برتری کے قائل ہیں، اقبالؒ کے نزدیک عقل انسان کے لیے کارآمد تو ہے لیکن کافی نہیں۔ کیوں؟ آئندہ دس اشعار اسی کا جواب ہیں!

موازنہ عقل و عشق

(۳) عقل سفّاک است و اُو سفّاک تر

پاک تر، چالاک تر، بے باک تر

ترجمہ: ''عقل خونریز ہے، عشق اس سے بڑھ کر خونریز ہے، لیکن (اپنے مقاصد کے اعتبار سے) عشق عقل سے کہیں زیادہ پاک، کہیں زیادہ چست اور کہیں زیادہ بے باک ہے۔''

شرح: عقل بھی اپنے مقصود کے لیے خون ریزی کرتی ہے، عشق بھی اپنے مطلوب کے لیے خون بہاتا ہے، لیکن عشق کا مقصود اعلیٰ وارفع ہوتا ہے، اس لیے اُس کی سرگرمیاں ہر آلودگی سے پاک ہوتی ہیں اور وہ اپنے مقصود کو حاصل کرنے میں نہایت چست وچالاک اور بے باک ہوتا ہے۔ اس لیے انسان کو چاہیے کہ راہِ عشق اپنائے۔

(۴) عقل درپیچاکِ اسباب و عِلل

عشق چوگاں بازِ میدانِ عمل

ترجمہ: ''عقل اسباب وعلل کے پیچ وخم میں الجھی رہتی ہے، عشق میدانِ عمل کا شہسوار ہے۔''

شرح: اس کی مثال دوسرے مقام پر یوں بیان فرمائی:

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق

عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی!

(۵) عشق صید از زورِ بازو افگند

عقل مکّار است و دامے می زند

ترجمہ: ''عشق (بہادر ہے) زورِ بازو سے شکار گراتا ہے، عقل مکار ہے، شکار پر جال پھینکتی ہے۔''

شرح: اسی لیے آپ دیکھیں گے کہ مؤمن شیر کی طرح بہادر ہوگا اور کافر

مکار اور حیلہ باز، مؤمن مکر وفریب سے تو زیر ہوا، لیکن میدان میں کوئی اس کے مقابل نہ ٹھہر سکا۔

(۶) عقل را سرمایہ از بیم و شک است
عشق را عزم و یقیں لاینفک است

ترجمہ ''عقل کا سرمایہ خوف اور شک ہے، جبکہ عزم اور یقین عشق کے اٹوٹ انگ ہیں۔''

شرح: یہ شعر عقل اور عشق کے درمیان اندازِ کار کا بنیادی فرق واضح کرتا ہے، عقل خوف اور شک کی بیساکھیوں کے سہارے کام کرتی ہے، جبکہ عشق عزم اور یقین کی قوت سے سرشار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے عقل پرست لڑکھڑاتا اور ہچکچاتا رہتا ہے، جبکہ عاشق میدانِ عمل میں کود جاتا ہے۔

خیال رہے کہ عقل کی پہلی بیساکھی 'خوف' کا تعلق مادّی امور سے ہے، یعنی عقل انسان کو یہ بات سمجھاتی ہے کہ اگر تو دیانت وامانت اپنائے گا تو ناکام ہو جائے گا، دین کے مطابق زندگی گزارے گا تو برا نام پائے گا، لیکن عشق اس کے مقابل عزم عطا کرتا ہے کہ محبوبِ حقیقی کے حکم کی تعمیل میں کسی ملامت کی پروا نہیں، عشقِ صادق راہِ صدق پر چلنے کی ہمت اور استقامت بخشتا ہے، تو یہ عزم خوف کی ضدّ ہے، جو عشق سے حاصل ہوتا ہے۔

عقل کی دوسری بیساکھی 'شک' کا تعلق روحانی اور مابعد الطبیعی امور سے ہے، یعنی عقل اُن تمام حقائق کے وجود میں شکوک وشبہات پیدا کرتی ہے، جو اُس کے حواسِ خمسہ سے بالاتر ہیں۔ مثلاً وجودِ باری تعالیٰ، وحی، ملائکہ، روح، حیات بعد الممات، جنت اور جہنم، لیکن عشق غیب پر ایمان ویقین کی دولت عطا کرتا ہے کہ محبوب اعظم ﷺ

نے جو فرمادیا، وہ حق ہے، میرے حواس مجھے دھوکا دے سکتے ہیں، آپ کی خبر غلط نہیں ہو سکتی، یہ یقین شک کی ضد ہے اور ایسا یقین عشق سے حاصل ہوتا ہے۔

(۷) آں کند تعمیر تا ویراں کند
ایں کند ویراں کہ آباداں کند

ترجمہ: ''عقل ویران کرنے کے لیے تعمیر کرتی ہے اور عشق آباد کرنے کے لیے ویران کرتا ہے۔''

شرح: عقلِ محض کی پیروی سے فوری فائدہ تو حاصل ہو سکتا ہے، دنیا سنور سکتی ہے، لیکن انجام دنیوی خسارہ یا اخروی بربادی ہے، اور عشقِ حقیقی کا تقاضا پورا کرنے میں ہو سکتا ہے کہ فوری اور دنیوی نقصان ہو، لیکن اس کا انجام نہایت مبارک اور عزت افزا ہوتا ہے، وجہ یہ ہے کہ عشق اپنی ذات میں غیر فانی ہے، وہ عاشق کو بھی غیر فانی بنا دیتا ہے، اور دائمی حیات اور راحت سے بڑی نعمت کوئی نہیں۔

(۸) عقل چوں باد است ارزاں در جہاں
عشق کمیاب و بہائے اُو گراں

ترجمہ: ''عقل جہان میں ہوا کی طرح (عام دستیاب ہے، اس لیے) ارزاں قیمت ہے، عشق کمیاب نعمت ہے، اس لیے گراں قیمت ہے۔''

شرح: اس شعر میں ایک عام اصول کی روشنی میں عقل پر عشق کی فوقیت بیان کی گئی ہے۔ دستورِ عام یہ ہے کہ جو چیز بہ آسانی اور بہ افراط دستیاب ہو، وہ ارزاں قیمت ہوتی ہے، اور جو چیز کمیاب ہو، وہ گراں قیمت ہوتی ہے۔ عقل سے اکثر انسان بہرہ یاب ہوتے ہیں، ہر شخص کچھ نہ کچھ عقل رکھتا ہے، اب چونکہ عقل ہر ایک کو میسر ہے، اس لیے ارزاں قیمت ہوگی، جبکہ عشق کی نعمت کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے، اس

لیے عشق کی قدر و قیمت زیادہ ہوگی۔

اس شعر میں عقل کو ہوا کے ساتھ تشبیہ دے کر اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ عقل بھی انسان کے لیے ضروری ہے، ایسے ہی جیسے ہوا ضروری ہے، عقل نہ ہو تو انسان مکلّف ہی نہیں ہوتا، اس لیے کم و بیش عقل تو سب کو عطا ہوئی......لیکن محض عقل سے انسان کامیاب نہیں ہوتا، جب تک قوتِ ارادی اور جذبۂ عمل موجود نہ ہو، عشق اسی قوت اور جذبے کا نام ہے......یہی وجہ ہے کہ عقل تو سب کے پاس ہے لیکن کامیاب اور نامور لوگ بہت کم ہیں، اِس لیے اُنہی کی قدر و قیمت زیادہ ہوگی، جن کے پاس قوّتِ عشق اور جذبۂ عمل ہو!

(۹) عقل محکم از اساسِ چون و چند
عشق عریاں از لباسِ چون و چند

ترجمہ: ''عقل 'کیسا اور کتنا' کی بنیاد سے استحکام پاتی ہے، جبکہ عشق 'کیسا اور کتنا' کے لباس سے بے نیاز ہوتا ہے۔''

شرح: چونکہ عقل مادّہ پرست ہوتی ہے، اس لیے فکرِ بیش و کم میں مبتلا رہتی ہے، اور خوف اور حرص کی وجہ سے مقصدِ تخلیق سے انحراف کر جاتی ہے، جبکہ عشق مخلص اور بے خوف ہوتا ہے، اس لیے اپنے مقصد پر بے دھڑک قربان ہو جاتا ہے۔

(۱۰) عقل می گوید کہ خود را پیش کن
عشق گوید امتحانِ خویش کن

ترجمہ: ''عقل کہتی ہے کہ خود کو پیش کر، عشق کہتا ہے اپنی آزمائش کر۔''

شرح: اس شعر میں عقل اور عشق کا طبعی تفاوت بیان فرمایا ہے، عقل کا مزاج

خود نمائی ہے، وہ انسان کو اکساتی ہے کہ دولت، شہرت اور حکومت حاصل کرنے کے لیے اپنے آپ کو نمایاں کرو، خود ساختہ اوصاف کی تشہیر کرو، اس کے برعکس عشق کا مزاج خود آزمائی ہے، عشق باطن کا جائزہ لیتا ہے، دنیائے فانی کی محبت سے دلِ کو پاک کرتا ہے اور اُس کے کردار کو اعلیٰ مقاصد سے آزماتا ہے، گویا عقل کا سارا زور تن پر ہوتا ہے اور عشق کا مَن پر! بالکل وہی مضمون ہے:

''من کی دنیا؟ من کی دنیا سوز و مستی جذب و شوق
تن کی دنیا؟ تن کی دنیا سود و سودا مکر و فن
اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن''

(بالِ جبریل:۳۱)

(۱۱) عقل با غیر آشنا از اکتساب
عشق از فضل است و با خود در حساب

ترجمہ: ''عقل غیر سے آشنا ہوتی ہے اور کسب و جہد سے (بھی) حاصل ہو جاتی ہے، عشق فضلِ الٰہی سے حاصل ہوتا ہے اور محاسبۂ نفس میں مگن رہتا ہے۔''

شرح: اس شعر میں عقل اور عشق کے درمیان دو باتوں کا موازنہ ہے:

(۱) پہلی بات دونوں کا رویہ ہے، عقل غیر آشنا ہوتی ہے اور عشق خود آشنا، عقل دوسروں کا تو جائزہ لیتی ہے، اپنا محاسبہ نہیں کرتی، جبکہ عشق خود آگاہ اور خود شناس ہوتا ہے، عاشق کو اپنی خودی کی تربیت اور حفاظت پر مائل کرتا ہے، اُسے دوسروں سے سروکار نہیں ہوتا۔

(۲) دوسری بات یہ کہ عقل میں اکتساب و اختیار کا بھی دخل ہے، مطالعہ، مشاہدہ، مکالمہ اور مجالسہ عقل میں اضافہ کرتا ہے، جبکہ عشق سراسر وہبی نعمت ہے، جو

محض فضلِ الٰہی سے حاصل ہوتی ہے۔

(خیال رہے کہ اس شعر میں کچھ تعقید ہے، ترکیب یوں ہوگی: عقل با غیر آشنا است و عشق باخود در حساب، عقل از اکتساب است و عشق از فضل است۔)

(۱۲) عقل گوید شاد شو، آباد شو
عشق گوید بندہ شو، آزاد شو

ترجمہ: ''عقل کہتی ہے (جیسے ہو سکے) خوش رہو، آباد رہو، عشق کہتا ہے (صرف اللہ کا) بندہ بنو، (باقی سب سے) آزاد رہو۔''

شرح: اس شعر میں ایک اور انداز سے عقل اور عشق کا تقابل ہے۔ عقل کا تقاضا ہوتا ہے کہ ہر قیمت پر شاد آباد رہنا چاہیے، ترقی ہونی چاہیے، منصب ملنا چاہیے، کاروبار پھیلنا چاہیے، خواہ اس کے لیے خیانت کرنی پڑے، جھوٹ بولنا پڑے، غداری اور قوم فروشی کرنی پڑے، اہلِ باطل کی محکومی و غلامی کرنی پڑے، اسلامی ثقافت سے ہاتھ دھونا پڑے، خواہ اِس کے لیے عزتِ نفس پامال ہوتی ہو، عفت و عصمت مجروح ہوتی ہو، ہو جائے لیکن موج میلہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ زندگی کا مقصد دنیوی راحت اور وقتی مسرت ہے:

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

اس کے مقابل عشق کہتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ بن اور ہر خوف وحزن اور حرص وہوس سے آزاد رہ، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے، جو اُس کا بندہ بن جائے، وہ اُس کا مددگار اور کارساز بن جاتا ہے، اور جس کے ساتھ اللہ ہو جائے، اُسے کاہے کا خوف وحزن اور کاہے کی حرص وہوس؟

''اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰہِ لَا خَوْفٌ عَلَیْھِمْ وَلَا ھُمْ یَحْزَنُوْنَ'' (یونس:۶۲)

الغرض عقل انسان کو خوف وحزن اور حرص وہوس کا غلام بنا دیتی ہے اور عشق عاشق کو ہر غیر فطری قید سے آزاد رکھتا ہے۔

نوٹ: زیرِ نظر نظم میں اصل مضمون سرِّ کربلا کا بیان ہے، عقل و عشق کا موازنہ گویا تشبیب ہے، اور اس شاندار تمہید کے بعد اب شعر ۱۲ کے مصرعِ ثانی اور شعر ۱۳ اور ۱۴ میں اصل مضمون کی طرف گریز ہے، اور حق یہ ہے کہ نہایت لطیف گریز ہے!

(۱۳) عشق را آرامِ جاں حریت است
ناقہ اش را ساربان حریت است

ترجمہ: ''عشق کی تسکینِ جان آزادی ہے، ناقۂ عشق کی ساربان آزادی ہے۔''

شرح: گزشتہ شعر میں یہ کہا تھا کہ عشق آزادی کا تقاضا کرتا ہے، اس شعر میں وجہِ تقاضا بیان کر رہے ہیں کہ عشق کی جان آزادی ہے، راہِ حق پر ناقۂ عشق اُس وقت بھاگتی ہے، جب اُس کے پاؤں ہر بندھن سے آزاد ہوں۔ غلامی، کسی طرح کی بھی ہو، عشق کو پژمردہ بلکہ مردہ کر دیتی ہے، اس لیے عشق عاشق کو ہر غلامی سے آزاد دیکھنا چاہتا ہے۔

(۱۴) آں شنیدستی کہ ہنگامِ نبرد
عشق با عقلِ ہوس پرور چہ کرد

ترجمہ: ''وہ قصہ تو نے سنا ہے کہ قتال کے وقت عشق نے عقلِ ہوس پرور سے کیا کیا؟''

شرح: گزشتہ کئی اشعار سے جو موازنہ عقل وعشق چل رہا ہے، اس شعر میں اُسے واقعۂ کربلا سے مربوط کر رہے ہیں، فرماتے ہیں کہ معرکۂ کربلا محض انسانوں کی آپس میں تیغ آزمائی نہیں تھی، بلکہ عشق اور عقل کے درمیان پنجہ آزمائی تھی، ایک طرف عشقِ خدا پرست تھا، دوسری طرف عقلِ خود پرست تھی، ایک طرف دین تھا، دوسری طرف دنیا تھی، ایک طرف وقارِ نبوت تھا، دوسری طرف غرورِ حکومت، ایک طرف خلافت تھی، دوسری طرف ملوکیت...... پھر دیکھو عشق نے عقل سے کیا کیا؟ کس طرح اُسے رسوا کیا اور ہمیشہ کے لیے اُس کا غرور خاک میں ملا دیا۔

منقبتِ پیکرِ عشق

(۱۵) آں امامِ عاشقاں پورِ بتولؓ
سروِ آزادے ز بُستانِ رسولؐ

ترجمہ: ''آپؓ عاشقوں کے بلند مرتبہ امام اور فرزندِ بتولؓ ہیں، آپؓ گلشنِ رسول ﷺ کے سروِ آزاد ہیں۔''

شرح: سرو ایک بلند قامت، مخروطی اور خوشنما درخت ہے کہ بہار اور خزاں کے اثر سے آزاد رہتا ہے، اس لیے سروِ آزاد کہلاتا ہے۔ (فیروز نسیم)

اِس تعبیر میں ایک لطافت ہے، اقبالؒ نے واقعۂ کربلا رموزِ بے خودی میں ذکر کیا ہے، اس مثنوی کے آغاز میں فرد وملّت کے درمیان ربط کی حقیقت اور اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ فرد جب رمزِ بے خودی سے آشنا ہو جاتا ہے اور ملّت سے ربط استوار کر لیتا ہے تو پھر ملّت اُس کی ایسی تربیت کرتی ہے کہ:

پا بہ گِل مانندِ شمشادش کند
دست و پا بندد کہ آزادش کند

''شمشاد کی مانند اُسے پابہ گِل کر دیتی ہے اور ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے آزاد کر دیتی ہے''۔ (رموزِ بے خودی: ۸۷)

تو فکرِ اقبالؒ میں امام حسینؓ خیر القرون کے شمشاد اور سروِ آزاد ہیں، اسلامی روایات کے پابند اور ہر خوف سے آزاد، ابھی جس عشق کی برتری اور فضیلت تم نے سنی، حسینؓ اُسی گروہِ عاشقاں کے امام ہیں، اور اب قیامت تک قافلۂ عشاق انہی کی قیادت میں چلے گا کہ بلند کردار ہونے کے ساتھ بلند نسب بھی ہیں۔

(۱۶) اللہ اللہ بائے بسم اللہ پدر
معنیٔ ذِبحٍ عَظِیم آمد پسر

ترجمہ: ''اللہ اللہ! باپ بسم اللہ کی با ہے اور بیٹا ''ذِبحٍ عَظِیم'' کی سراپا تفسیر ہے۔''

شرح: باپ سے مراد بعض شارحین کے نزدیک سیدنا علیؓ ہیں کہ باب مدینۃ العلم ہیں، علمِ قرآنی کا دروازہ سیدنا علیؓ سے کھلتا ہے اور بیٹا اپنے عمل سے اس کی تفسیر کرتا ہے۔ حدیث نبوی ہے: ''قرآن اور میرے اہل بیتؓ ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہیں ہوں گے''۔ (ترمذی) گویا قرآن کا مفہوم ومنطوق اگر سمجھنا ہے تو اِس مقدس خانوادےؓ کی طرف رجوع کیے بغیر چارۂ کار نہیں۔

لیکن بیٹے کے سراپا تفسیر ہونے کے سلسلے میں خاص طور پر ''ذِبحٍ عَظِیم'' کا حوالہ قابلِ غور ہے۔

قرآنِ مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ خواب دیکھنے کے بعد: ''فَلَمَّا

"أَسْلَمَا ......" (الصافات:۱۰۳) "پھر جب دونوں سراپا اسلام بن گئے......" یعنی باپ ابراہیمؑ قربان کرنے پر اور بیٹا اسماعیلؑ قربان ہونے پر تل گیا اور باپ نے بیٹے کو جبین کے بل پچھاڑ لیا تو ہم نے پکارا کہ ابراہیم! تم نے خواب سچ کر دکھایا، یہ ایک کھلا اور کڑا امتحان تھا، تم اس امتحان میں کامیاب رہے "وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ" (الصافات:۱۰۷) "اور ہم نے اُس (اسماعیل) کے فدیے میں ایک عظیم ذبیح دے دیا" (کہ اسماعیل کے بجائے اُسے ذبح کر دو)

یہ "عظیم ذبیح" کون ہے؟

اہلِ تسنّن کے یہاں یہ مینڈھا ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے جنت سے جبریلؑ کے ذریعے بھیجا، جسمانی اعتبار سے بھی موٹا تازہ اور بڑا تھا، بارگاہِ الٰہی میں یقیناً قبول بھی ہوا اور اس پر ثواب بھی بڑا ملا (اور پھر ہمیشہ کے لیے مینڈھا اور دوسرے جانور قربان کرنے کی رسم اسی مینڈھے سے شروع ہوئی) اس لیے اسے 'عظیم' فرمایا گیا۔

(معالم التنزیل، بغوی:۲۱۴)

اہلِ تشیّع کے نزدیک "ذبیح عظیم" امام حسینؓ ہیں، جو ہزاروں برس بعد اسماعیلؑ کے فدیے میں میدانِ کربلا میں قربان ہوئے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ اسی پس منظر میں نکتہ آفرینی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"پس حضرت حسین علیہ السلام کا واقعہ کوئی شخصی واقعہ نہیں ہے، اس کا تعلق صرف اسلام کی تاریخ سے ہی نہیں، بلکہ اسلام کی اصل حقیقت (قربانی) سے ہے، یعنی وہ حقیقت جس کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ذات سے ظہور ہوا تھا اور وہ بتدریج ترقی کرتی ہوئی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات تک پہنچ کر گم ہو گئی تھی، اس کو حضرت حسین علیہ السلام نے اپنی سرفروشی سے مکمل کر دیا"۔ (حادثۂ کربلا)

یہ دونوں نقطۂ نظر اپنی اپنی جگہ اہم اور درست ہیں۔ فقیر کے نزدیک ان میں تطبیق یہ ہے کہ صورت کا فدیہ مینڈھا بنا اور حقیقت کا تکمیلی فدیہ امام حسینؓ قرار پائے!

آزادؒ کے بعد اقبالؒ نے بھی اِسی مفہوم کے روشنی میں "معنیٔ ذبحِ عظیم آمد پسر" فرمایا۔

مصرعِ ثانی کی اس تشریح کے بعد مصرعِ اول میں متعین ہو جاتا ہے کہ 'پدر' سے مراد سیدنا اسماعیلؑ کی ذات گرامی ہے۔ اقبالؒ خود دوسری جگہ اس مفہوم کی وضاحت کرتے ہیں:

غریب و سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم
نہایت اِس کی حسینؓ، ابتدا ہے اسماعیلؑ! (بالِ جبریل:۶۳)

'ابتدا' اور 'بائے بسم اللہ' ہم معنی تراکیب ہیں، لہٰذا پہلے مصرع میں 'بائے بسم اللہ' حضرت اسماعیلؑ ہی ہوئے۔

(۱۷) بہرِ آں شہزادۂ خیرُ المِلَل
دوشِ ختم المرسلینؐ نِعمَ الجَمَل

ترجمہ: "بہترین امّت کے اس عالی مرتبت شہزادے کے لیے ختم المرسلین ﷺ کا دوشِ مبارک کیا خوب سواری تھی"۔

شرح: پہلے مصرع میں خیر الملل کا مفہوم آیت "کنتم خیر أمة" (ترجمہ) "تم بہترین امت ہو" (آل عمران:۱۱۰) سے مستفاد ہے۔

مِلَل مِلّۃٌ کی جمع ہے۔ خیال رہے کہ قرآن، حدیث اور عربی میں ملّت کا لفظ دین اور شریعت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ جدید فارسی اور اسی کے زیرِ اثر اردو

میں اب یہ لفظ قوم اور امت کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے، تو یہاں ''خیر الملل''
کا مطلب ہے ''خیر الأمم'' (مفردات الفاظ القرآن، جدید لغات فارسی واردو)
دوسرے مصرع میں ''نِعْمَ الْجَمَل'' ایک حدیث کی جانب اشارہ ہے۔
حضرت جابرؓ روایت کرتے ہیں: ''میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا،
آپ ﷺ چار پر (یعنی دو ہاتھوں، دو پاؤں پر) چل رہے تھے، حسنؓ اور حسینؓ آپ ﷺ کی پشت
پر تھے، اور آپ ﷺ فرما رہے تھے:

''نعم الجمل جملکما ونعم العدلان أنتما''۔

''تمہارا اونٹ بہترین اونٹ ہے اور تم دونوں بہترین سوار ہو۔''

(رواہ الطبرانی، مجمع الزوائد: ۹/۱۸۲)

یہ صرف ایک ہی دفعہ نہیں ہوا، اس طرح کے متعدد واقعات احادیث میں
وارد ہوئے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو حسنؓ اور حسینؓ سے
خاص محبت تھی۔

(۱۸) سرخ رُو عشقِ غیور از خونِ اُو
شوخیٔ ایں مصرع از مضمونِ اُو

ترجمہ: ''غیرت مند عشق آپؓ کے خون سے سرخرو ہے اور اس مصرعِ عشق
کی تب وتاب آپؓ کے ہی مضمون سے وابستہ ہے۔''

شرح: اوپر گزر چکا ہے کہ معرکۂ کربلا درحقیقت عشق اور عقل کے درمیان
معرکہ تھا، اِس معرکے میں امام حسینؓ نے عشق کی لاج رکھ لی، آج غیرت مند عشق کی
عزت آپؓ کے خون کی مرہونِ منت ہے اور مصرعِ عشق میں شوخی اور تب وتاب آپؓ

کی قربانی اور استقامت کے مضمون سے پیدا ہوتی ہے۔ گویا داستانِ عشق کا عنوان
آپؓ کی ذاتِ گرامی ہے، اور آپؓ کے تذکرے کے بغیر اِس داستان میں حسن پیدا
نہیں ہوسکتا...... خون کی مناسبت سے پہلے مصرع میں سرخ رُو اور دوسرے مصرع میں
شوخی کے الفاظ نہایت برمحل ہیں۔

مقامِ امامؓ

(۱۹) درمیانِ امت آں کیواں جناب
ہمچو حرفِ قل ھو اللہ در کتاب

ترجمہ: ''امت کے درمیان آپؓ کی بلند مرتبت شخصیت ایسی ہے جیسی
کتاب اللہ میں سورۂ اخلاص۔''

شرح: کیواں: ساتواں آسمان، زحل ستارہ جو بہت بلندی پر ہوتا ہے۔
جناب: بلند مرتبہ بارگاہ، آستانہ...... تو کیواں جناب کا مفہوم ہوا وہ شخص
جس کی بارگاہ کی بلندی ساتویں آسمان کو پہنچتی ہے، حاصلِ معنی ہے بلند مرتبت شخصیت۔
اس شعر میں امت میں آپؓ کے شخصی مرتبے کو سورۂ اخلاص کے ساتھ تشبیہ
دی گئی ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں:
سورۂ اخلاص کے الفاظ بہت کم لیکن مضمون اتنا اہم کہ پورے دین پر چھائی
ہوئی ہے اور اسی لیے نمایاں ثواب رکھتی ہے، اسی طرح امام حسینؓ کا دورِ قیادت بہت کم
لیکن کارنامہ اتنا اہم کہ پوری تاریخ پر اِس کی چھاپ ہے اور اِسی لیے ملّی کارناموں
میں نمایاں مقام کا حامل ہے!
سورۂ اخلاص اقرارِ توحید ہے اور حسینؓ اظہارِ توحید!

سورۂ اخلاص 'لا الہ الا اللہ' کا امر ہے اور حسینؓ اس کی سراپا تعمیل!

سورۂ اخلاص 'لا الہ الا اللہ' کی علمی بنیاد ہے اور حسینؓ امت میں اس کی عملی بنیاد!

سورۂ اخلاص پڑھنے، سننے سے اخلاصِ عقیدہ کی دولت نصیب ہوتی ہے تو کارنامۂ حسینؓ پڑھنے سننے سے اخلاصِ عمل کی کیفیت دل میں موجزن ہوتی ہے!

سورۂ اخلاص لطافتِ کردگار کا بیان ہے اور حسینؓ لطافتِ کردار کی حسین تفسیر ہیں!

سورۂ اخلاص آج ہر مؤمن کا وردِ زبان ہے اور حسینؓ کا نام بھی ہر مومن کی نوکِ زبان ہے!

اِن وجوہ کی بنا پر سچ یہ ہے کہ مشبہ اور مشبہ بہ کی طرح یہ تشبیہ بھی نہایت درجہ لطیف تشبیہ ہے!

(۲۰) موسیٰ و فرعون و شبیرؓ و یزید

این دو قوت از حیات آمد پدید

ترجمہ: ''موسیٰؑ اور فرعون، شبیرؓ اور یزید یہ دو قوتیں آغازِ حیات سے ہی وجود میں آئی ہیں۔''

شرح: موسیٰؑ اور فرعون، شبیرؓ اور یزید یہ صرف اشخاص کے نام نہیں، بلکہ حق اور باطل، خیر اور شر کی قوتوں کے مظاہر ہیں۔ حق موسیٰؑ اور حسینؓ کی صورت میں جلوہ گر ہوا، باطل نے فرعون اور یزید کا روپ دھارا، اور حق و باطل کی یہ آویزش نئی نہیں، پرانی ہے، اتنی ہی پرانی جتنی حیاتِ انسانی پرانی ہے، آدمؑ کی تخلیق ہوئی اور ابلیس نے جنگ چھیڑ لی، یہ جنگ آج بھی جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی:

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز

چراغِ مصطفوی سے شرارِ بولہبی

اس شعر سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اقبالؒ کی نگاہ میں حسینؓ کا مقام کیا ہے اور یزید کا مقام کیا؟

(۲۱) زندہ حق از قوتِ شبیری است

باطل آخر داغِ حسرت میری است

ترجمہ: ''حق قوتِ شبیری سے زندہ رہتا ہے اور باطل آخرِ کار حسرت ناک موت کا داغ اٹھاتا ہے۔''

شرح: اس شعر میں حق و باطل کی کشمکش کا انجام بیان فرماتے ہیں کہ خارجی اسباب وعوامل کی وجہ سے بعض اوقات اہلِ حق مغلوب ہو جاتے ہیں اور اہلِ باطل غالب، لیکن یہ غلبہ وقتی ہوتا ہے، آخر کار اہلِ حق غالب آتے ہیں اور اہلِ باطل مغلوب، باطل پرستوں کی حسرت ناک موت سے باطل کے چہرے پر داغ لگ جاتا ہے اور وہ رسوا ہو جاتا ہے۔ حق کا یہ غلبہ قوتِ شبیری سے ہوتا ہے، اس لیے اہلِ حق کو اپنے اندر یہ قوت اور جذبہ زندہ رکھنا چاہیے۔

سببِ قیام

(۲۲) چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت

حریت را زہر اندر کام ریخت

ترجمہ ''جب خلافت نے قرآن سے رشتہ توڑا اور حریت کے حلق میں زہر انڈیلا۔''

شرح: اسلام کے سیاسی نظام میں خلیفہ آزاد، بااختیار اور باوقار شوریٰ سے منتخب ہوتا ہے، قرآن مجید میں ہے:

''وامرھم شوری بینھم'' ترجمہ: ''اوران (اہل ایمان) کا نظام باہم شوریٰ پر ہے۔''
(الشوریٰ:۳۸)

اور خلفاءِ راشدینؓ نے انتخابِ خلیفہ کے باب میں یہ سنت قائم فرمائی کہ اپنے قرابت دار کو اس منصب سے دور رکھا جائے۔

اسی طرح اسلام میں خلیفہ خود مختار نہیں ہوتا بلکہ قرآن وسنت اور شوریٰ کا پابند ہوتا ہے۔

اس کے برعکس ملوکیت میں سربراہی وراثت میں ملتی ہے یا غاصبانہ تسلط ہوتا ہے اور حاکم مطلق العنان اور بے پناہ شخصی اختیار کا مالک ہوتا ہے۔ اسی طرح جہاں شوریٰ ہوتی ہی نہ ہو یا ہوتی ہو لیکن بے خوف اور آزاد نہ ہو، وہ بھی ملوکیت ہے۔

تو اس شعر کے پہلے مصرع میں یزید کی تخت نشینی کی طرف اشارہ ہے کہ آزاد شوریٰ کے بغیر اور سنتِ خلفاءؓ سے ہٹ کر جب وراثت کی راہ سے یزید سربراہ بنا تو خلافت کا رشتہ قرآن سے ٹوٹ گیا، اور وہ خلافت نہ رہی ملوکیت بن گئی، اور ملوکیت فوراً شخصی، فطری حریت اور آزادیٔ رائے سلب کرتی ہے، دورِ یزیدی میں یہی ہوا......
دوسرے مصرع میں اسی زبان بندی کی طرف اشارہ ہے...... یہ بھی یاد رہے کہ توحید پرستی کے لیے حریت ضروری ہے، اور ملوکیت حریت کی دشمن ہے، اسی لیے اسلام ملوکیت کا سخت دشمن ہے☆

(۲۳) خاست آں سر جلوۂ خیر الاممؑ
چوں سحابِ قبلہ باراں در قدم

☆ تفصیل کے لیے دیکھیے راقم السطور کی تالیف ''امامِ حسینؓ اور واقعۂ کربلا'' ناشر: ادارہ صراطِ مستقیم

ترجمہ: ''تو اِس بہترین امت کا وہ نمایاں فرد یوں اٹھا جیسے قبلہ سمت سے اٹھنے والا بادل، جو بارش ساتھ لاتا ہے۔''

شرح: اس شعر میں امام حسینؓ کی فراست اور جرأت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ نفاذِ ملوکیت کی اِن گھڑیوں میں امام حسینؓ اٹھے، جو اُس وقت پوری امت میں ہر اعتبار سے ایک نمایاں مقام کے حامل تھے اور اس شان سے اٹھے، جیسے قبلہ سمت یعنی مغرب سے اٹھنے والا بادل، جو بارش سے لبریز ہوتا ہے اور فوراً برستا ہے اور خوب برستا ہے......اور حق یہ ہے کہ خلافت سے انحراف کے لمحات اور ظلم و جور کے دور میں کلمۂ حق کہنے کا حق امامِ حسینؓ کو ہی پہنچتا تھا، آپؓ نہ اٹھتے تو کون اٹھتا؟ اور ہوا بھی یہی کہ آپؓ کے سوا کوئی نہ اٹھا۔

لطفِ شعری یہ ہے کہ سحابِ امامت بھی قبلہ (مکہ مکرمہ) سے اٹھا اور قبلہ واہل قبلہ کی آزادی کے لیے اٹھا! اگر اُس وقت امامِ حسینؓ آوازۂ حق بلند نہ کرتے تو خلافت وملوکیت کے درمیان فرق مٹ جاتا، بادشاہ خدا بن جاتا اور رفتہ رفتہ لوگ توحید سے ناآشنا ہو جاتے۔

کارنامۂ امامؓ

(۲۴) بر زمینِ کربلا بارید و رفت
لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت

ترجمہ: ''کربلا کی سرزمین پر برسا اور چلا گیا، ویرانوں میں گُلِ لالہ کے بیج بوئے اور رخصت ہوا۔''

شرح: اس شعر میں سرخ رنگ کی مناسبت سے خونِ شہادت کو گلِ لالہ سے

تشبیہ دی۔ فرماتے ہیں کہ ہدایت اور خلافت کا بادل قبلہ سے اٹھا، کربلا کی سرزمین پر برسا، ان ویرانوں میں اپنے خون کے قطروں سے لالۂ خلافت کے بیج بوئے اور خود رخصت ہوگیا، لیکن آپؑ کے بعد کربلا لالۂ خلافت سے لہلہا اٹھا اور خلافت وملوکیت کے لیے شہرِ امتیاز اور خطِ فاصل بن گیا۔

(۲۵) تاقیامت قطعِ استبداد کرد
موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد

ترجمہ: ''آپؑ نے قیامت تک استبداد اور آمریت کی جڑ کاٹ دی، آپؑ کی موجِ خون نے (جہدِ حق کا) ایک نیا چمن ایجاد کیا۔''

شرح: ملوکیت کے قیام کو اگر نظر انداز کر دیا جاتا اور مصلحت آمیز خاموشی برتی جاتی تو یہ آکاس بیل اسلام کے درخت کو سکھا دیتی، آپؑ کے بروقت فیصلہ کن اقدام نے آمریت کی جڑ کاٹ دی، اور پھر کبھی اِسے قبول واستحکام نصیب نہ ہوا۔

امامِ حسینؑ نے راہِ حق میں ہر طرح کے مصائب جھیل کر جہدِ حق کی ایک نئی طرح ڈالی اور اپنی قربانیوں سے ایسا چمن آراستہ کیا، جس میں ملوکیت کی گنجائش نہیں۔ آج دنیا میں جہاں بھی حریت، سیاسی آزادی اور انسانی حقوق کی بات ہوتی ہے، یہ رسول اللہ ﷺ کے بعد آپؑ کی عظیم قربانی کے نتائج ہیں۔

(۲۶) بہرِ حق درخاک وخوں غلطیدہ است
پس بنائے لاالٰہ گردیدہ است

ترجمہ: ''آپؑ حق کی خاطر خاک وخون میں لوٹ پوٹ ہوئے، تب لاالٰہ الا اللہ کی بنیاد قرار پائے۔''

شرح: امام حسینؑ کی یہ عظیم قربانی حق یعنی نظامِ خلافت کے احیا کے لیے تھی۔ توحیدِ حقیقی کی بقا کے لیے آپؑ اور آپؑ کا پاکیزہ گھرانا خاک وخون میں تڑپا۔ ملوکیت لاالٰہ الا اللہ کی ضد ہے، اور ملوکیت کے خلاف سب سے پہلے آپؑ نے آواز بلند کی، اس لیے امت میں لاالٰہ الا اللہ کی عملی بنیاد اور حریت کی اساس آپؑ کی ذاتِ گرامی ہے...... اقبالؒ کا یہ تخیل اِس مشہور رباعی سے ماخوذ ہے، جو خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ سے منسوب ہے:

شاہ است حسینؑ، بادشاہ است حسینؑ
دین است حسینؑ، دین پناہ است حسینؑ
سر داد نداد دست در دستِ یزید
حقا کہ بنائے لاالٰہ است حسینؑ

حقیقت یہ ہے کہ امت میں توحیدِ عملی کو امام حسینؑ نے اپنے خون سے سینچا ہے، ''ان الحکم الا للہ أمر ألاتعبدوا إلا اياه ذلک الدين القيم ولکن اکثر الناس لا يعلمون'' (یوسف:۴۰) کی عملی تفسیر حسینؑ نے اپنے خون سے لکھی، صفحۂ کربلا پر اگر یہ تفسیر نہ ہوتی تو اکثر لوگ لاالٰہ الا اللہ کی وسعتِ معنیٰ سے لاعلم ہی رہتے!

کہنے والے نے خوب کہا:

بنا کردند خوش رسمے بخاک وخون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(۲۷) مدّعایش سلطنت بودے اگر
خود نکردے باچنیں ساماں سفر

ترجمہ: ''اگر آپؓ کا مقصود حصولِ اقتدار ہوتا تو آپؓ اتنے (معمولی) سامان کے ساتھ سفر نہ کرتے۔''

شرح: امام حسینؓ کی عظیم قربانی کو دھندلانے اور اِس کے اسرار سے امت کو بے خبر رکھنے کے لیے آمریت وملوکیت کے ایجنٹوں نے وسوسہ پھیلایا کہ امام حسینؓ جاہ اور حکومت کی طلب میں اٹھے، اقتدار واختیار اُن کا مطمحِ نظر تھا...... حال ہی میں بھارت کے ایک عالمی شہرت یافتہ مبلغ نے کہا: یہ ایک سیاسی جنگ تھی...... اور جاہ واقتدار کی جنگ میں کسی ایک نے تو ہارنا ہوتا ہے، تو امام حسینؓ ہار گئے، اس پر غم اور ماتم کیسا؟

اِس اور آئندہ شعر میں اقبالؒ نے اس وسوسے کا بڑا سادہ اور معقول جواب دیا ہے کہ اگر امام حسینؓ کا مقصود حصولِ اقتدار ہوتا تو وہ اس معمولی سروسامان کے ساتھ سفر نہ کرتے، عورتوں اور بچوں کو ساتھ نہ لاتے، صرف بہتر (۷۲) مردوں کے ساتھ میدان میں نہ اترتے، اس کے لیے بڑے پیمانے پر تیاری ہوتی...... جیسا کہ دشمن کی تیاری تھی...... یہ اندازِ سفر خود ظاہر کر رہا ہے کہ امام حسینؓ کسی سیاسی اور عسکری جنگ کے ارادے سے نہیں نکلے تھے۔

یہ بھی سوچنے کی بات ہے کہ اس پاک نہاد گھرانے میں اگر اقتدار کی حرص ہوتی تو اقتدار تو ان کے گھر میں تھا، اسے خود ہاتھ سے کیوں دیتے؟!

(۲۸) دشمناں چوں ریگِ صحرا لاتُعَد
دوستانِ اُو بہ یزداں ہم عَدَد

ترجمہ: ''آپؓ کے دشمن صحرا کی ریت کی طرح لاتعداد تھے اور آپؓ کے دوست یزداں کے ہم عدد تھے۔''

شرح: میدانِ کربلا میں صورتِ حال یہ تھی کہ دشمن ریت کے ذروں کی طرح بے شمار تھے، ہر آدمی دشمن بنا ہوا تھا، جس کے بارے میں گمان نہ ہوتا تھا، وہ بھی دشمن نکلتا تھا، جبکہ دوست بحسابِ جُمّل لفظِ یزداں کے ہم عدد یعنی صرف ۷۲ نکلے۔

حساب یوں ہوگا: ی:10، ز:7، د:4، ا:1، ن:50، کل:72۔

اور کیا عجب ہے کہ یزداں والے یزداں کے ہم عدد نکلے!

شخصیتِ امامؓ

(۲۹) سرِّ ابراہیمؑ و اسمٰعیلؑ بود
یعنی آں اجمال را تفصیل بود

ترجمہ: ''درحقیقت آپؓ ابراہیمؑ اور اسمٰعیلؑ (کی قربانی) کا راز تھے، یعنی اُس بے مثال اجمال کی تفصیلِ جلیل تھے۔''

(۳۰) عزمِ اُو چوں کوہساراں اُستوار
پائدار و تند سیر و کامگار

ترجمہ: ''آپؓ کا عزم پہاڑوں کی طرح محکم، پائدار، توانا چال اور کامیاب تھا۔''

شرح: ان دو اشعار میں امام حسینؓ کی شخصیت کو بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ نے جو قربانی دی، وہ اجمال میں رہی، اس کی حقیقت نگاہوں سے مخفی رہی، امام حسینؓ نے اپنی قربانی سے اُس اجمال کی تفصیل کی اور اُس قربانی کا راز کھولا، اپنے عمل سے ابراہیمی تعلیم اور اسمٰعیلی تعمیل کی روح کو عالم پر آشکار کیا...... اور اِس بارے میں آپؓ کا عزم پہاڑوں کی طرح محکم اور اٹل تھا، کوئی مشورہ

آپؓ کے عزم میں جنبش پیدا کرسکا نہ کوئی قوت آپؓ کو اپنے ارادے سے باز رکھ سکی، آپؓ نے باطل سے سمجھوتہ نہیں کیا اور راہِ حق پر نہایت تیزی اور توانائی کے ساتھ چلتے اور منزل حق پر جا پہنچے۔

درسِ امامؓ

(۳۱) تیغ بہرِ عزّتِ دین است و بس
مقصدِ اُو حفظِ آئین است و بس

ترجمہ: ''(مؤمن کی) تلوار دین کی عزت وشوکت کے لیے ہے اور بس، اِس کا مقصد آئینِ اسلامی کی حفاظت ہے اور بس۔''

(۳۲) ما سِوا اللہ را مسلماں بندہ نیست
پیشِ فرعونے سرش افگندہ نیست

ترجمہ: ''مسلمان اللہ کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہے، وہ کسی فرعون کے سامنے اپنا سر نہیں جھکاتا ہے۔''

شرح: درج بالا دو اشعار میں اقبالؒ نے وہ درس بیان کیا ہے، جو امام حسینؓ نے اپنی اور اپنے گھرانے کی قربانی سے امت کو دیا، یہ درس دراصل لا الہ الا اللہ کی عملی توضیح ہے اور یہی سرِّ کربلا ہے۔ درس یہ ہے کہ تلوار دین کی عزت اور غلبے کے لیے ہے، اقتدار اسلام کی حفاظت اور شریعت کی تنفیذ کے لیے ہے۔ ''لیظھرہ علی الدین کلہ'' (التوبہ:۳۳، الفتح:۲۸) جس نظام میں تلوار اور اقتدار غلبۂ دین کے لیے استعمال ہو، وہ خلافت ہے، اور ایسے نظام کی اطاعت ہر مسلم پر فرض ہے۔

لیکن اگر تلوار مسلم کو اپنا غلام بنانے، آزادیِ رائے کو سلب کرنے کے لیے

استعمال ہونے لگے اور اقتدار غیر شرعی امور پر اصرار کرنے لگے تو ایسا نظام ملوکیت اور فرعونیت ہے۔ ایسے کڑے وقت میں ایک مسلم پر فرض ہے کہ اپنے قول اور عمل سے ثابت کرے کہ وہ اللہ کے سوا کسی کا بندہ نہیں ہوسکتا اور کسی فرعون کے سامنے اس کا سر جھک نہیں سکتا۔ ''قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین'' (الانعام:۱۶۲)

(ربط) لیکن یہ جرأت وہی کرسکتا، جس نے ھو الموجود سے پیمانِ وفا باندھا ہو اور جس کا دل عشقِ الٰہی سے لبریز ہو، عقل پرست ایسے وقت میں نفاق آمیز مصلحت کا شکار ہوجاتا ہے۔

اِس توضیح سے پہلے شعر سے یہاں تک تمام اشعار کا ربط واضح ہوگیا، والحمدللہ۔

یہ اشعار اسلامی تعلیمات کی روح ہیں اور اس قابل ہیں کہ یاد رکھے جائیں۔

تفسیرِ امامؓ

(۳۳) خونِ اُو تفسیرِ ایں اسرار کرد
ملّتِ خوابیدہ را بیدار کرد

ترجمہ: ''آپؓ کے خونِ شہادت نے اِن اسرار کی تفسیر کی اور سوتی قوم کو بیدار کردیا۔''

شرح: یزید کی تخت نشینی سے کانٹا بدل رہا تھا، امت کی گاڑی خلافت کی پٹڑی سے اتر کر ملوکیت کی پٹڑی پر چڑھ رہی تھی، انحراف کی ان گھڑیوں میں کچھ لوگ اپنے اپنے حال میں مگن تھے، کچھ انحراف کے نتیجے سے بے خبر تھے اور کچھ جو خبر رکھتے

تھے، وہ ہمت اور جرأت نہیں رکھتے تھے...... جیسے لوگ ٹرین میں سفر کر رہے ہوں، کچھ سو رہے ہوتے ہیں، کچھ باتوں میں، کچھ سوچوں میں، کچھ کھانے پینے میں مگن ہوتے ہیں، کسی کو خبر نہیں ہوتی کہ گاڑی کہاں سے کانٹا بدل رہی ہے، انہیں راہ بدلنے کا علم اُس وقت ہوتا ہے، جب گاڑی بہت دور جا چکی ہوتی ہے یا کوئی حادثہ ہو جائے، تب آنکھیں کھلتی ہیں۔ ہاں جو مسافر انجن کے بالکل ساتھ بیٹھا ہو، راہوں سے باخبر ہو، بیدار مغز اور جرأت مند بھی ہو، وہ غلط کانٹا بدلنے پر ہنگامی بریک کھینچتا ہے، گاڑی کو دشمن کے پاس لے جانے کی سازش ہو رہی ہو، تو سامنے کھڑا ہو جاتا ہے اور جان پر کھیل جاتا ہے۔

بس کربلا میں بھی امام حسینؑ نے امت کی گاڑی کی ہنگامی بریک کھینچی، اپنی جان پر کھیل کر ملوکیت کے انجن کے سامنے آ گئے، ٹکر ہوئی اور بہت زبردست ہوئی، تب لوگ ہڑبڑا کے اٹھے اور انہیں سمجھ آیا کہ ہمارے ساتھ کیا ہاتھ ہو گیا ہے!

(۳۴) تیغ لا چوں از میاں بیروں کشید
ازرگِ اربابِ باطل خوں کشید

ترجمہ: ''آپؑ نے جب لا کی تلوار نیام سے باہر کھینچی تو جھوٹے خداؤں کی رگوں سے خون کھینچ لیا۔''

(۳۵) نقشِ الاَّ اللہ برصحرا نوشت
سطرِ عنوانِ نجاتِ ما نوشت

ترجمہ: ''آپؑ نے صحرا پر الا اللہ کا نقش لکھ کر ہماری نجات کا سرنامہ لکھ دیا۔''

شرح: باطل پرست اور ملوکیت کے نمائندے بڑے مطمئن اور خوش تھے کہ خدائی کا منصوبہ کامیاب ہو رہا ہے، کوئی چیلنج کرنے والا نہیں ہے، لیکن جب امام حسینؑ جیسا فرد فرید سامنے آ گیا اور اسؑ نے لا الہ کی تلوار نیام سے کھینچی تو جھوٹے خداؤں کا خون خشک ہو گیا۔ انہیں اپنا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آیا تو انہوں نے اپنی دنیا بچانے کے لیے دین سراپا دین کو شہید کر ڈالا۔ امام حسینؑ نے شہادت قبول کی اور اپنے مقدس خون سے کربلا کی تپتی ریت پر الا اللہ کا انمٹ نقش لکھ کر امت کو یہ بتا دیا کہ تمہاری دنیوی فلاح اور اخروی نجات اسی لا الہ الا اللہ میں ہے، اگر تم یہ حقیقت نہ سمجھے تو آزادی چھن جائے گی اور تم ہمیشہ کے لیے غلام ہو جاؤ گے۔

(۳۶) رمزِ قرآں از حسینؑ آموختیم
ز آتشِ اُو شعلہ ہا اندوختیم

ترجمہ: ''ہم نے رمزِ قرآن حسینؑ سے ہی سیکھی اور آپؑ کی ہی کی آگ سے ہم نے شعلے اکٹھے کیے۔''

شرح: ہمیں معلوم نہ تھا کہ رمزِ قرآن کیا ہے؟ یہ امام حسینؑ ہیں جنہوں نے اپنی جان دے کر تفسیر کی کہ رمزِ قرآن اور روحِ اسلام لا الہ الا اللہ ہے، یعنی: ماسوا اللہ را مسلماں بندہ نسیت یہ امام حسینؑ کی ہی روشن کی ہوئی آتشِ توحید ہے اور اُنہی کا بخشا ہوا جذبہ اور ولولہ ہے، جس سے ہم نے فکر کی روشنی اور عمل کی جرأتیں حاصل کی ہیں۔

اس مقام پر خود علامہ اقبالؒ کی وضاحت نہایت اہم ہے، اُن سے پوچھا گیا کہ ''رمزِ قرآن سے آپ کی مراد کیا ہے؟'' تو انہوں نے جواب دیا:

''تعلیماتِ قرآن کی روح یہ ہے کہ باطل کا مقابلہ کرنے کے لیے ہر وقت سر بکف رہو اور اگر ضرورت ہو تو جان دینے سے بھی دریغ نہ کرو''۔ (شرح رموزِ بےخودی: ۱۴۵)

اغیار کے ہاں اِس جذبے کو آج دہشت گردی اور شدت پسندی کہا جاتا ہے، اور افسوس! اپنے بھی اسی رو میں بہہ رہے ہیں! فیا حسرتا۔

تکبیرِ امامؓ

(۳۷) شوکتِ شام و فرِ بغداد رفت
سطوتِ غرناطہ ہم از یاد رفت

ترجمہ: ''شام کی شان وشوکت اور بغداد کا کرّ وفر ختم ہو گیا، غرناطہ کی ہیبت و سطوت بھی یادوں سے مٹ گئی۔''

(۳۸) تارِ ما از زخمہ اش لرزاں ہنوز
تازہ از تکبیرِ او ایماں ہنوز

ترجمہ: ''لیکن ہمارا ساز آپؓ کے مضراب سے ابھی تک کپکپا رہا ہے اور آپؓ کی تکبیر سے ایمان ابھی تک تازہ ہے۔''

شرح: دنیا والوں نے اپنا جاہ وجلال دکھانے اور اپنا نقش جمانے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا؟ شہر بسائے، محل بنائے، باغ لگائے، لشکر سجائے، پہرے بٹھائے، کسی کو نوازا، کسی کو دبایا اور کسی کو مروایا، لیکن آج بنو امیہ کے شام میں بنو امیہ پر شام ہے، بنو عباس کے بغداد میں اُن کا کوئی نام لیوا نہیں، اندلس میں غرناطہ کے محلات کا حسن تو دعوتِ نظارہ دیتا ہے، لیکن شاہوں کی سطوت قصۂ پارینہ ہو چکی، سب سلطنتیں

اپنے کرّ وفر سمیت مٹ گئیں، لیکن امام حسینؓ کا نام اور اُن کا مقام آج بھی باقی ہے، امام حسینؓ نے جو انقلاب برپا کیا تھا، اُس کی گونج آج بھی سنائی دیتی ہے، امت کی روحانی نبض میں حرکت آپؓ کی شہادت کی برکت ہے، ہمارے ایمان کی تازگی آپؓ کے نعرۂ تکبیر کا اثر ہے، اگر آپؓ کربلا میں لا الٰہ الا اللہ و اللہ اکبر کی صدا بلند نہ کرتے، تو ہم کبھی کے ایمانی موت مر چکے ہوتے، اور جس کی آواز زندہ ہو، درحقیقت وہی زندہ ہے:

نہ یزید کا وہ ستم رہا نہ زیاد کی وہ جفا رہی
جو رہا تو نام حسینؓ کا جسے زندہ رکھتی ہے کربلا

نذرِ مودّت

(۳۹) اے صبا اے پیکِ دور افتادگاں
اشکِ ما برخاکِ پاکِ او رساں

ترجمہ: ''اے صبا! اے دور افتادوں کی پیامبر! آپؓ کی خاکِ پاک پر ہمارا نذرانۂ اشک پہنچا دے!'' (رموزِ بےخودی: ۱۰۹۔۱۱۱)

شرح: جب کوئی پیام رساں نہ ملے، تو شاعر بادِ صبا کو اپنا پیام بر بناتا ہے، اور بادِ صبا کے ذریعے پیام رسانی میں عجب لطف بھی ہے اور لطافت بھی، مہجوری کی کسک بھی ہے اور مجبوری کی تڑپ بھی۔ اقبال بھی بادِ صبا سے کہتے ہیں کہ ہم دور پڑے تڑپ رہے ہیں، زیارت سے محروم ہیں، خود پہنچ نہیں سکتے، تو ہی ہمارا نذرانۂ اشک لے جا اور اُن کی قبرِ پاک پر نچھاور کر اور عرض کر کہ یہ آنسو اس غم میں ہیں کہ جن لوگوں نے آپؓ کا خون بہایا، وہ تو دشمن اور دنیا پرست تھے، لیکن وہ جو آپ کے اپنے ہونے کا

دعویٰ اور دینداری کا زعم رکھتے ہیں، انہوں نے بھی آپؑ کا خون بیچ ڈالا اور اب تک بیچ رہے ہیں، ملوکیت کے ہمنوا اور آمریت کے دست و بازو بن کر آپؑ کو بار بار شہید کر رہے ہیں، چنانچہ جس مقصد کے لیے آپؑ نے اتنی عظیم قربانی دی تھی، وہ ہنوز شرمندۂ تکمیل ہے!

السلام علیک

یا اباعبداللہ الحسین

ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

....

بے خودی کے دو رُخ

اقبالؒ نے امام حسنؑ کا تذکرہ بھی، حضرت فاطمہ زہراؑ کے تذکرے کے ضمن میں 'رموزِ بے خودی' میں کیا ہے اور امام حسینؑ کا ذکرِ عظیم بھی 'رموزِ بے خودی' میں کیا ہے، گویا فکرِ اقبالؒ میں امامِ حسنؑ کا ایثار اور امامِ حسینؑ کی پیکار بے خودی کے ہی دو رُخ ہیں، ایک نے ملت کی اجتماعیت کی خاطر اپنی حکومت قربان کی اور دوسرے نے ملت کے سیاسی ڈھانچے...... خلافت...... کی حفاظت کے لیے شہادت قبول کی:

در افتد با ملوکیت کلیمے
فقیرے، بے کلاہے، بے گلیمے
گہے باشد کہ بازی ہائے تقدیر
بگیرد کارِ صرصر از نسیمے! (ارمغان حجاز: ۹۰)

ترجمہ: ''کبھی کوئی کلیم، کوئی فقیر، کوئی بے کلاہ، کوئی بے گدڑی (یعنی کوئی بے سروسامان) ملوکیت سے بھڑ جاتا ہے (اور اُسے ناکام کر دیتا ہے) کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تقدیر کے کرشمے بادِ نسیم سے صرصر کا کام لے لیتے ہیں!''

....

حسینؑ کی موت اور ہی چیز ہے

امام حسینؑ نے جہاں تاریخ پر انمٹ نقوش چھوڑے، وہاں زندگی اور موت کو بھی ایک نئی شان بخشی ہے۔ اقبالؒ زندگی، موت اور جہاد کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) زندگی محکم ز تسلیم و رضا است
موت نیرنج و طلسم و سیمیا است

ترجمہ: ''زندگی تسلیم ورضا کے جذبات سے استحکام پاتی ہے، موت تو ایک نیرنگ، طلسم اور نظر کا دھوکہ ہے۔''

شرح: تسلیم ورضا کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینا اور اپنی مرضی اس کی رضا میں فنا کر دینا، جب یہ کیفیت نصیب ہو جائے تو خوف اور حزن سے نجات پا کر زندگی میں استحکام پیدا ہو جاتا ہے۔

موت جس سے انسان ڈرتا رہتا ہے، یہ فریبِ نظر ہے کہ انسان اسے فنا سمجھتا ہے، موت فنا نہیں، زندگی کی ہی ایک منزل ہے، ایک وقفہ ہے، اس کے بعد پھر زندگی ہے، تسلیم ورضا کے خوگر کے لیے موت آسان ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب تک چاہے زندہ رکھے، جب چاہے، اپنے پاس بلا لے، بندہ ہر حکم کے لیے تیار ہے۔

(۲) بندۂ حق ضیغم و آہو ست مرگ
یک مقام از صد مقامِ اُوست مرگ!

ترجمہ: ''اللہ کا بندہ شیر ہے اور موت آہو، موت تو اُس کے سو مقامات میں سے ایک مقام ہے۔''

(۳) می فتد بر مرگ آں مردِ تمام
مثلِ شاہینے کہ افتد بر حمام!

ترجمہ: ''وہ مردِ کامل موت پر یوں جھپٹتا ہے جیسے کوئی شاہین کبوتر پر۔''

(۴) ہر زماں میرد غلام از بیمِ مرگ
زندگی اُو را حرام از بیمِ مرگ

ترجمہ: ''(جبکہ نفس کا) غلام ہر لمحے موت کے خوف سے مرتا ہے، موت کے خوف سے اُس کی زندگی حرام ہو جاتی ہے''۔

(۵) بندۂ آزاد را شانے دگر
مرگ اُو را می دہد جانے دگر!

ترجمہ: ''لیکن بندۂ آزاد کی شان ہی اور ہوتی ہے، موت اُسے ایک نئی زندگی عطا کرتی ہے۔''

(۶) اُو خود اندیش است مرگ اندیش نیست
مرگِ آزاداں ز آنے بیش نیست!

ترجمہ: ''بندۂ آزاد اپنی خودی کی فکر کرتا ہے، موت کی فکر نہیں کرتا، آزادوں کی موت ایک آن سے زیادہ نہیں ہوتی'' (وہ پھر زندہ ہو جاتے ہیں بلکہ زندۂ جاوید ہو جاتے ہیں!)

(۷) بگذر از مرگے کہ سازد با لحد
زانکہ ایں مرگ است مرگِ دام و دَد!

ترجمہ: ''اُس موت کو چھوڑ جو لحد سے سمجھوتہ کر لے، اس لیے کہ یہ تو چرندوں اور درندوں کی موت ہے''۔

(۸) مردِ مؤمن خواہد از یزدانِ پاک

آں دگر مرگے کہ برگیرد زخاک !

ترجمہ: ''مردِ مؤمن خدائے پاک سے اس انداز کی موت چاہتا ہے، جوخاک سے قوّتِ نمولیتی ہے''۔ (اور پھر کسی صورت میں نمایاں ہوجاتی ہے، جیسے دانہ خاک میں مل کر گُلِ حسیں اور ثمرِ شیریں میں بدل جاتا ہے۔)

(۹) آں دگر مرگ! انتہائے راہِ شوق

آخریں تکبیر در جنگاہِ شوق

ترجمہ: ''اُس رنگ کی موت! جوراہِ شوق کی انتہا ہے، جومعرکۂ شوق میں آخری نعرۂ تکبیر ہوتی ہے''۔

(۱۰) گرچہ ہر مرگ است برمؤمن شکر!

مرگِ پورِ مرتضیٰؓ چیزے دگر!

''اگرچہ مومن کے لیے ہرموت شیریں ہے (کہ وہ موت سے نہیں گھبراتا) لیکن فرزندِ مرتضیٰ ......رضی اللہ عنہما......کی موت اور ہی چیز ہے!''

(۱۱) جنگِ شاہانِ جہاں غارت گری است

جنگِ مؤمن سنتِ پیغمبری است !

ترجمہ: ''دنیا کے بادشاہوں کی جنگ لوٹ مار ہوتی ہے اور مؤمن کی جنگ آنحضرت ﷺ کی سنت کی پیروی ہوتی ہے''۔

یعنی دنیاپرست اور خداپرست دونوں کی جنگ کا مقصد بالکل جدا ہوتا ہے۔

(۱۲) جنگِ مؤمن چیست؟ ہجرت سوئے دوست !

ترکِ عالم ، اختیارِ کوئے دوست

ترجمہ: ''مؤمن کی جنگ کیا ہے؟ دوست (اللہ تعالیٰ) کی جانب ہجرت، دنیا چھوڑنا اور کوئے دوست میں ڈیرا ڈالنا''۔

یہی محبوبِ حقیقی کی بارگاہ میں شہادت (حاضری) ہے، جس کے بارے میں اقبالؒ فرماتے ہیں:

شہادت ہے مطلوب و مقصودِ مؤمن

نہ مالِ غنیمت، نہ کشور کشائی (بالِ جبریل:۱۰۵)

(۱۳) آنکہ حرفِ شوق با اقوام گفت

جنگ را رہبانیٔ اسلام گفت!

ترجمہ: ''جس ذاتِ اقدس ﷺ نے اقوامِ عالم کو رازِ عشق سے آگاہ کیا، انہوں نے جہاد کو اسلام کی رہبانیت قرار دیا!''

شرح: گزشتہ دو اشعار میں ایک حدیث کی جانب اشارہ ہے، اور اسے سمجھنے کے لیے رہبانیت کے بارے میں اسلامی تعلیم کی وضاحت ضروری ہے۔

رہبانیت کا معنی ہے نفسانی، شیطانی اور انسانی فتنوں سے بچنے کے لیے دنیا سے کنارہ کشی، اللہ کی قربت اور معرفت حاصل کرنے کے لیے خلوت نشینی، ذکروفکر کے لیے عزلت گزینی۔ بنیادی طور پر رہبانیت ایک عملِ صالح ہے، اِسی لیے ہر دور میں تبتّل، اور خلوت نشینی کا معمول رہا، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ جب رہبانیت میں فطرت سے بغاوت، غلو اور تشدد کے عناصر داخل ہوگئے تو مسیحیوں میں رہبانیت

ایک خوفناک فتنہ بن گئی، اسی کی نفی کے لیے فرمایا:

"لا رهبانية في الاسلام" (مسند احمد)

یعنی (ایسی غیر فطری اور بھیانک) رھبانیت اسلام میں نہیں ہے۔

اس کی جگہ اسلام نے جو عبادات مقرر فرمائیں، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج، اِن میں رھبانیت کے صالح عناصر از خود موجود ہیں، نہایت توازن اور اعتدال کے ساتھ اور فطرت کے عین مطابق۔ اسلامی رھبانیت کی کامل صورت جہاد ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے:

"لكل نبي ......وفي رواية: لكل أُمّة...... رهبانية و رهبانية هذه الامة الجهاد في سبيل الله" (احمد عن انسؓ بن مالک: ۲۶۶/۳)

ترجمہ: "ہر نبی کے لیے...... اور ایک روایت میں ہے: ہر امت کے لیے ...... (کسی نہ کسی انداز میں) رھبانیت رہی، اِس امت کی رھبانیت جہاد فی سبیل اللہ ہے۔"

دوسری حدیث میں ارشاد ہے:

"عليك بالجهادفانه رهبانية الاسلام"

(احمد عن ابی سعیدؓ الخدری: ۸۲/۳)

ترجمہ: "اپنے اوپر جہاد کو لازم کر لے، اس لیے کہ یہ اسلام کی رھبانیت ہے۔"

مقصود یہ ہے کہ نفس کشی اور یادِ الٰہی کے جو فوائد رھبانیت سے حاصل ہوتے تھے، اب جہاد سے حاصل ہوں گے، اِس اضافے کے ساتھ کہ اِس میں اعلائے کلمۃ اللہ بھی ہے، اور صرف نفس و شیطان سے بچاؤ نہیں، بلکہ نفس پرستوں اور

شیطانی ایجنٹوں کا قلع قمع بھی ہے۔ رھبانیت صرف اپنی ذات کو پاکیزہ رکھنے کی کوشش ہے، جہاد پورے ماحول کو پاکیزہ بنانے کی کوشش ہے، اِس لیے اسلام میں جہاد صرف دنیوی فتوح اور غلبہ و تسلّط کا ذریعہ نہیں، بلکہ روحانی ترقی اور قربِ الٰہی کا زینہ بھی ہے۔

تدبّر کیجیے تو یہ حدیث قرآن مجید کی درجِ ذیل آیت کا بیان ہے:

"اِنّ الله اشترى من المؤمنين أنفسهم و أموالهم بأن لهم الجنة يقاتلون في سبيل الله فيقتلون ويقتلون......" (التوبۃ:۱۱۱)

ترجمہ: "یقیناً اللہ نے مؤمنون سے اُن کی جانیں اور اُن کے اموال خرید لیے اِس قیمت پر کہ اُن کے لیے جنت ہے، لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں پھر مارتے ہیں اور مرتے ہیں......"۔

رھبانیت میں یہی تو ہوتا ہے کہ انسان دنیوی لذائذ اور نفسی حظوظ سے کنارہ کش ہو کر اپنے آپ کو ہمہ وقت اللہ کے سپرد کرتا ہے، اور جہاد میں بھی مؤمن اپنی جان، اپنا مال، اپنا وقت اور اپنے رشتے اللہ تعالیٰ کو بیچ دیتا ہے اور اپنے آپ کو کلّی طور پر اپنے مالک کے سپرد کر دیتا ہے، اسی بات کو حدیث میں یوں تعبیر فرمایا گیا کہ جہاد اسلام کی رھبانیت ہے، جس میں مؤمن سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر یار کی جانب ہجرت کرتا ہے اور کوئے یار میں ڈیرا ڈال دیتا ہے!

(۱۴) کس نداند جز شہید ایں نکتہ را

کو بخونِ خود خرید ایں نکتہ را (جاوید نامہ:۱۸۵)

ترجمہ: "لیکن اس نکتے کو شہید کے سوا کوئی نہیں جانتا، کیونکہ وہ اپنے خون سے یہ نکتہ خریدتا ہے۔"

غور کیجیے تو معلوم ہوگا کہ اقبالؒ زندگی، موت اور جہاد کا یہ فلسفہ حضرت علیؓ اور امام حسینؓ کی جہدِ تاباں اور شہادتِ درخشاں کے پس منظر میں بیان فرما رہے ہیں۔

....

جذبۂ حسینؓ آج بھی کارفرما ہے

سلطان ٹیپو شہید نے اپنی غیرت مندانہ شہادت سے ملتِ اسلامیہ کو جو ولولۂ تازہ دیا، اس حوالے سے فکرِ اقبالؒ میں سلطان ''شہیدانِ محبت کے امام'' ہیں، اپنے عشق و فقر کی وجہ سے اُن کا نام آج بھی چاند، سورج سے زیادہ روشن ہے اور اُن کی قبر کی خاک زندوں سے زیادہ زندہ ہے۔ سلطان ٹیپو کو یہ دولت کہاں سے نصیب ہوئی؟ فرماتے ہیں:

از نگاہِ خواجۂ بدر و حنین

فقرِ سلطاں وارثِ جذبِ حسینؓ (جاوید نامہ:۱۷۱)

ترجمہ: ''خواجۂ بدر و حنین ﷺ کی نگاہِ کرم سے سلطان کا فقر (وعشق) حسینؓ کے جذب اور بے خودی کا وارث تھا''۔

اِسی طرح دنیا میں جہاں بھی کوئی فقر و عشق کی راہ پر چلتا ہوا جان دے گا، وہ امام حسینؓ کو اپنے سامنے کھڑا پائے گا!

....

اقامتِ دین کا منہج

نظامِ خلافت اور تنفیذِ دین کی جدوجہد میں قائدین کو امامِ حسینؓ کے نقشِ قدم پر چلنا ہوگا اور حسینی اوصاف سے اپنی سیرت کو آراستہ کرنا ہوگا۔ امام حسینؓ نے اقامتِ حق کے لیے جو منہج عطا فرمایا، اُس کے نمایاں خطوط یہ ہیں:

رسمِ شبیری

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری
شیاطینِ ملوکیت کی آنکھوں میں ہے وہ جادو
کہ خود نخچیر کے دل میں ہو پیدا ذوقِ نخچیری

(ارمغان حجاز:۳۸)

فقرِ شبیری

اک فقر سکھاتا ہے صیّاد کو نخچیری!
اک فقر سے کھلتے ہیں اسرارِ جہانگیری!
اک فقر سے قوموں میں مسکینی و دلگیری!
اک فقر سے مٹی میں خاصیتِ اکسیری!
اک فقر ہے شبیری، اس فقر میں ہے میری!
میراثِ مسلمانی، سرمایۂ شبیری!

(بال جبریل:۱۶۰)

عشقِ شبیری

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بتکدۂ تصوّرات
صدقِ خلیلؑ بھی ہے عشق، صبرِ حسینؑ بھی ہے عشق!
معرکۂ وجود میں بدر و حنین بھی ہے عشق!

(بالِ جبریل:۱۱۲)

مقامِ شبیری

حرم کے پاس کوئی اعجمی ہے زمزمہ سنج
کہ تار تار ہوئے جامہ ہائے احرامی!
حقیقتِ ابدی ہے مقامِ شبیریؑ
بدلتے رہتے ہیں اندازِ کوفی و شامی!

(بالِ جبریل:۷۳)

حاصل یہ کہ فکرِ اقبالؒ میں امام حسینؑ فقر و عشق، جرأت و استقامت اور بے لوث قیادت میں علوی روایات اور فاطمی اوصاف کے سچے پاسبان تھے، سیدنا علیؑ خودی کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہیں تو سیدہ فاطمہ زہراؑ شرفِ بے خودی ہیں اور امام حسینؑ نشانِ خودی اور شانِ بے خودی ہیں۔

آپؑ نے نظامِ خلافت کی بقا اور ملوکیت کے خاتمے کے لیے جو اقدام و قیام فرمایا، وہ درخشندہ اسلامی روایات اور زرّیں خاندانی اقدار کا ہی تسلسل تھا اور آج بھی

ہمیں ایسی ہی بااوصاف قیادت کی ضرورت ہے، افسوس آج سب کچھ ہے، لیکن حسینؑ نہیں ہے!

قافلۂ حجاز میں ایک حسینؑ بھی نہیں
گرچہ ہے تاب دار ابھی گیسوئے دجلہ و فرات!

(بالِ جبریل:۱۱۲)

....

اقبالؒ کی آخری آرزو

بہت پہلے اقبالؒ نے کہا تھا:

تیر و سنان و خنجر و شمشیرم آرزوست
بامن میا کہ مسلکِ شبیرم آرزوست (پیامِ مشرق:۱۵۶)

ترجمہ: ”تیر، نیزہ، خنجر اور شمشیر میری آرزو ہے، میرے ساتھ مت آ کہ مسلکِ شبیرؑ میری آرزو ہے۔“

یعنی قوت فراہم کرنا اور باطل سے ٹکرانا میری آرزو ہے، باطل سے مزاحمت مسلکِ شبیری ہے، جو اس مسلک پر چلنے کی ہمت نہ رکھتا ہو، وہ میرے ساتھ مت آئے۔

پھر ارمغانِ حجاز میں فرمایا..... خیال رہے کہ ارمغانِ حجاز اقبالؒ کا آخری مجموعۂ کلام ہے اور یہ ارمغان کی آخری رباعی ہے:

قلندر میلِ تقریرے ندارد
بجز ایں نکتہ اکسیرے ندارد

ازاں کشتِ خرابے حاصلے نیست
کہ آب از خونِ شبیرے ندارد

(ارمغان حجاز:۱۴۶)

ترجمہ: ''قلندر کو کسی تقریر کا شوق نہیں ہے اور اِس ایک نکتے کے سوا اُس کے پاس کوئی اکسیر نہیں ہے کہ جو ویران کھیتی کسی شبیر کے خون سے سیراب نہیں ہوتی، اُس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔''

اِس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اقبالؒ کی آخری آرزو احیائے حسینیت ہے اور اقبالؒ کی آنکھیں تادمِ واپسیں کسی حسین کی منتظر رہیں!

فکرِ اقبال میں 'نائبِ حق' کا مصداق

اسرارِ خودی میں علامہ اقبالؒ نے تربیتِ خودی کے تین مراحل بیان کیے ہیں:

(۱) اطاعت (۲) ضبطِ نفس (۳) نیابتِ الٰہی

ایک مؤمن اطاعت اور ضبطِ نفس کے مرحلوں سے گزر جاتا ہے تو نیابتِ الٰہی کے مرحلے میں داخل ہوتا ہے۔ اس مرحلے کے بارے میں فکرِ اقبالؒ کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

پہلا حصہ ابتدائی ۲۷ اشعار پر مشتمل ہے، اس میں اقبالؒ نے نائبِ حق کی صفات بیان کی ہیں، جن کا حاصل یہ ہے:

☆ نائبِ حق عناصر پر حکمران ہوتا ہے۔

☆ نائبِ حق جہان کے لیے مثلِ جان ہوتا ہے۔

☆ نائبِ حق کی ہستی اسمِ اعظم کا ظل ہوتی ہے۔

☆ نائبِ حق جزو اور کُل کی رموز سے آگاہ ہوتا ہے۔

☆ نائبِ حق جہان میں قائم بامر اللہ ہوتا ہے یعنی اللہ تعالیٰ اُسے خود حاکم بناتا ہے۔

☆ نائبِ حق پرانی بساط کو برہم کر کے نئی بساط بچھاتا ہے۔

☆ نائبِ حق سے ایسے کارنامے صادر ہوتے ہیں، جو دنیا میں انقلاب برپا کر دیتے ہیں۔

ایسے نائبِ حق کی پوشیدہ ہستی اس وقت 'زندگی کا راز' ہے، وہ زندگی کے ساز کا ایسا 'نغمہ' ہے، جو ابھی کسی نے نہیں سنا، ہماری مشتِ خاک آسمان تک جا پہنچی ہے، اب اس غبار سے وہ 'شہسوار' نمودار ہوگا، ہماری آنے والی 'کل' کا 'عالم سوز شعلہ' ہمارے 'آج' کی راکھ میں خفتہ ہے، ہمارا 'غنچہ' اپنے دامن میں گلستان سمیٹے ہوئے ہے، ہماری آنکھ صبحِ فردا کے 'نور' سے روشن ہے...... یعنی ہماری زبوں حالی انتہا کو پہنچ چکی ہے، ان حالات کی اصلاح نائبِ حق ہی کرسکتا ہے، حالات کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ نائبِ حق جلد ظاہر ہوگا اور امتِ مسلمہ سے ظاہر ہوگا۔

نائبِ حق کے بارے میں فکرِ اقبالؒ کا دوسرا حصہ نو (۹) اشعار پر مشتمل ہے، اس میں اقبالؒ نائبِ حق کے ظہور کی تمنا کرتے ہیں اور کس والہانہ انداز سے کرتے ہیں:

(۱) اے سوارِ اشہبِ دوراں بیا
اے فروغِ دیدۂ امکاں بیا

ترجمہ: "اے زمانے کے گھوڑے پر سوار! آجا، اے کائنات کی آنکھوں کی روشنی! آجا"

شرح: جس طرح گھوڑا اپنے سوار کے قابو میں ہوتا ہے، وہ جس انداز میں چلائے، چلتا ہے، اسی طرح نائبِ حق زمانے کو اپنی مرضی کے مطابق چلائے گا، اپنی قوتِ ایمانی و روحانی سے حالات کا رخ پھیر دے گا، وہ نائبِ حق کائنات کی آنکھوں کی روشنی ہوگا، کائنات اُس کی نگاہ سے حالات اور معاملات کو دیکھے گی اور جس سمت وہ چلائے گا، چلے گی۔ گویا اس وقت کائنات بصارت سے محروم ہے اور اندھیروں میں بھٹک رہی ہے۔ تو ایسا نائبِ حق خدا کرے، آجائے۔ نائبِ حق سے آنے کی التجا در اصل حق تعالیٰ سے دعا ہے۔

(۲) رونقِ ہنگامۂ ایجاد شو
در سوادِ دیدہ ہا آباد شو

ترجمہ: "ہنگامۂ موجودات کی رونق ہو اور آنکھوں کی پتلیوں میں آباد ہو۔"

شرح: اس وقت دنیا آپ کے بغیر بے رونق ہے اور آنکھیں آپ کی زیارت کو ترس رہی ہیں، آپ سے درخواست ہے کہ کائنات کے منبر پر رونق افروز ہوں، ہماری آنکھوں میں قیام فرمائیں، ہمارے دلوں میں گھر کریں، تاکہ ہماری آنکھیں صحیح سمت دیکھ سکیں اور ہمارے دلوں کا قبلہ درست ہوجائے۔

(۳) شورشِ اقوام را خاموش کن
نغمۂ خود را بہشتِ گوش کن

ترجمہ: "قوموں کے شر و فساد کو ختم کرا اور اپنے نغمے کو کانوں کی جنت بنا۔"

شرح: مثنوی اسرارِ خودی ۱۹۱۵ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوئی، اس وقت دنیا میں جنگِ عظیم اوّل برپا تھی، ہر طرف ہنگامہ اور کھلبلی مچی ہوئی تھی، اس پس منظر میں نائبِ حق سے درخواست کی جارہی ہے کہ تشریف لائیں اور اس شر و فساد کی آگ کو ٹھنڈا کریں اور اپنے دلکش نغمے سے کانوں کو بہشت کا سکون و قرار عطا کریں، امن و محبت کا ایسا پیغام سنائیں جسے سن کر کان جنت کا مزا پائیں، یعنی آئیں اور اس دنیا کو امن و سکون کی جنت بنا دیں۔
جنگِ عظیم بنیادی طور پر کفار کی باہم جنگ تھی، آج کفار اور منافقین متحد ہو کر اہلِ اسلام پر یلغار کیے ہوئے ہیں، امت بکھری ہوئی ہے، فتنہ پھیلا ہوا ہے، ان حالات میں اس دعا کی زیادہ ضرورت ہے۔

(۴) خیز و قانونِ اُخوت ساز دہ
جامِ صہبائے محبت باز دہ

ترجمہ: ''اٹھ اور اخوت ساز قانون عطا فرما، شرابِ محبت کا جام پھر پلا۔''

شرح: نائبِ حق! تو ہی ہے جو اَب اپنے دمِ قدسی سے انسانوں میں انسانیت پیدا کرسکتا اور انہیں اخوت و محبت کی وہی پرانی شراب پلا سکتا ہے، اس لیے تشریف لا اور سب انسانوں کو بھائی بھائی بنا!

(۵) باز در عالم بیار ایامِ صلح
جنگ جویاں را بدہ پیغامِ صلح

ترجمہ: ''دنیا میں پھر صلح کے ایام لے آ اور جنگجو لوگوں کو صلح کا پیغام سنا۔''

شرح: اس وقت دنیا کو جنگ کی نہیں، صلح کی ضرورت ہے، تشریف لا، فتنے میں مبتلا لوگوں کو پیغامِ صلح سنا اور اپنی قوت اور قیادت سے دنیا کو صلح و آشتی اور امن وامان کا دور عطا فرما!

(۶) نوعِ انساں مزرع و تو حاصلی
کاروانِ زندگی را منزلی

ترجمہ: ''نوعِ انسان ایک کھیتی ہے اور تُو اس کا حاصل ہے، تُو زندگی کے کاروان کی منزل ہے۔''

شرح: اس شعر میں نائبِ حق کی منقبت اور عظمت بیان کی گئی ہے کہ نسلِ انسانی ایک کھیتی کی طرح ہے، اِس کا حاصل اور اِس کا پھل نائبِ حق ہوتا ہے،

نائبِ حق مقصودِ تخلیق ہوتا ہے، زندگی کا قافلہ اِسی منزل تک پہنچنے کے لیے چلتا ہے۔ اِس وقت ہم اُس ثمرِ شیریں کے انتظار میں ہیں اور اُس منزل کی جانب چل رہے ہیں۔ دیکھیے! وہ ثمر کب ملتا ہے اور وہ منزل کب آتی ہے؟

(۷) ریخت از جورِ خزاں برگِ شجر
چوں بہاراں بر ریاضِ ما گذر

ترجمہ: ''درخت کے پتے خزاں کے ظلم وجور سے جھڑ گئے ہیں، تو بہار کی طرح ہمارے باغات پر سے گزر۔''

شرح: درخت اور باغات سے امت اور خزاں سے اغیار مراد ہیں۔ کہتے ہیں کہ کافروں اور منافقوں کے ظالمانہ سلوک سے امت کے باغ پر ویرانی چھائی ہوئی ہے، حوصلے ٹوٹ رہے ہیں۔ آپ تشریف لائیں، تاکہ آپ کے بہار آفریں قدموں سے امت پھر خوشحال ہو جائے۔ گویا نائبِ حق کی آمد امت کے لیے موسمِ بہار کی مانند ہوگی۔

(۸) سجدہ ہائے طفلک و برنا و پیر
از جبینِ شرمسارِ ما بگیر

ترجمہ: ''بچوں، جوانوں اور بوڑھوں کے سجدے ہماری شرمندہ پیشانی سے قبول کر۔''

شرح: دین اور حق کے لیے ہمیں جو کچھ کرنا چاہیے تھا، وہ ہم نہیں کر سکے، اس قصور پر ہم نادم اور خجل ہیں، اس وقت امت کے ہر طبقے کی ندامت آلود پیشانیاں تیرے حضور جھکنے کے لیے اور تیری بیعت کے لیے تیار ہیں، تو آ! ہماری عقیدتیں قبول فرما اور ہمیں ظلم وستم سے نجات دلوا۔

گویا نائبِ حق امت کا نجات دہندہ ہوگا۔

(۹) از وجودِ تو سرافرازیم ما
پس بہ سوزِ ایں جہاں سوزیم ما

ترجمہ: ''تیرے وجود سے ہم اپنے آپ کو سربلند کیے ہوئے ہیں، اِسی خاطر اِس جہان کی جلن میں ہم اپنے آپ کو جلا رہے ہیں۔''

شرح: آخر میں اقبال نائبِ حق سے عرض کرتے ہیں کہ اگرچہ اس وقت ہم پس ماندہ اور درماندہ ہیں، ہم سے تحقیر و تضحیک کا برتاؤ ہو رہا ہے، ہر بدسلوکی ہم سے روا رکھی جا رہی ہے، ہر بلا کا نشانہ ہمارا آشیانہ ہے، لیکن یہ یقین کہ تیرے وجودِ باجود کی نعمت صرف ہمارے پاس ہے، دنیا کی کسی دوسری قوم کے پاس نہیں، ہمارا سر بلند کیے ہوئے اور ہمیں گرنے سے بچائے ہوئے ہے۔

اِسی امید میں کہ تو آئے گا اور ہمیں نجات دلائے گا، ہم اِس وقت دنیا کے سوز آفریں سلوک میں اپنے آپ کو جلا رہے ہیں اور ہر طرح کی سیاسی، معاشی، معاشرتی، ذہنی اور بدنی تپش کو برداشت کر رہے ہیں۔

سو جلد آ اور ہمیں اِس کرب و بلا سے نجات دلا!

(اسرارِ خودی: ۴۶)

مذکورہ بالا اشعار کے بعد اب درجِ ذیل احادیث کا مطالعہ کیجیے:

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

☆ ''مہدی میری اولاد میں سے ہوگا۔'' (ابو داؤد عن ابی سعید الخدریؓ)

☆ ''مہدی فاطمہؓ کی اولاد سے ہوگا۔'' (ابن ماجہ عن سعید بن المسیبؓ)

☆ ''علیؓ نے اپنے فرزند حسنؓ کی طرف دیکھ کر فرمایا: ''میرا یہ بیٹا سید ہوگا، جیسا کہ نبی ﷺ نے اسے موسوم فرمایا، اور اِس کی صلب سے ایک شخص پیدا ہوگا، جس کا نام تمہارے نبی کے نام پر ہوگا، وہ سیرت میں آپؐ سے مشابہ ہوگا، صورت میں نہیں۔'' (ابو داؤد عن ابی اسحاق)

☆ ''مہدی کی پیشانی کشادہ اور ناک بلند ہوگی۔''
(ابو داؤد عن ابی سعید الخدریؓ)

☆ ''اُس وقت لوگوں کا امام میری اولاد سے ہوگا، اُس کی عمر چالیس سال ہوگی، اُس کا چہرہ گویا روشن ستارہ ہوگا، اُس کے دائیں رخسار پر سیاہ تل ہوگا۔''
(طبرانی عن ابی امامہؓ)

☆ ''اُس وقت تمہارا حال کیا ہوگا جب تمہارے اندر عیسیٰ بن مریم اتریں گے اور تمہارا امام تم میں سے ہوگا۔'' (بخاری و مسلم عن ابی ہریرہؓ)

☆ ''عیسیٰ ابن مریم میری اولاد میں سے ایک شخص کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔'' (الحاوی عن حذیفہؓ)

☆ ''اس امت پر ایک بڑی آزمائش آئے گی، یہاں تک کہ کسی شخص کو ظلم سے بچنے کی جگہ نہیں ملے گی، اُس وقت اللہ تعالیٰ میری عترت اور میرے اہل بیت سے ایک شخص کو بھیجے گا، اور اُس کے ذریعے زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا، جیسا کہ وہ پہلے ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی، زمین اور آسمان کے باشندے سب اُس سے راضی ہوں گے، آسمان اپنی تمام بارش موسلا دھار برسائے گا اور زمین اپنی تمام پیداوار نکال کر رکھ دے گی، یہاں تک کہ زندہ لوگ اپنے مردوں کی (زندگی کی) تمنا کریں گے، اسی حال پر وہ سات یا آٹھ یا نو سال گزارے گا۔'' (حاکم عن ابی سعیدؓ)

☆ ''عبداللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ ''ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر تھے کہ بنو ہاشم کے چند نوجوان آپؐ کے سامنے آئے، جب آپؐ نے اُنہیں دیکھا تو آپؐ کی آنکھیں ڈبڈبا گئیں اور رنگ بدل گیا، میں نے عرض کی: ہم آپؐ کے چہرے پر غم کی پرچھائیاں دیکھ رہے ہیں!

فرمایا: ہم اہلِ بیت کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا کے بجائے آخرت پسند کی ہے، میرے بعد میرے اہلِ بیت کو بڑی آزمائش، بڑی سختی اور جلاوطنی کا سامنا کرنا پڑے گا، یہاں تک کہ ایک قوم مشرق کی جانب سے آئے گی، اُن کے پاس کالے جھنڈے ہوں گے، یہ اُن سے خیر کے طلبگار ہوں گے، وہ انکار کریں گے، اِس پر سخت جنگ ہوگی، وہ شکست کھائیں گے اور جو اُن سے مانگا تھا، پیش کریں گے، لیکن یہ اُسے قبول نہیں کریں گے، یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے جھنڈے ایک ایسے شخص کے سپرد کریں گے، جو میرے اہلِ بیت سے ہوگا، وہ زمین کو عدل سے معمور کردے گا، جیسا کہ لوگوں نے ظلم سے معمور کر رکھی ہوگی، سو تم میں سے جو وہ دور پائے تو ضرور اُن کے پاس جائے اگرچہ برف پر منہ کے بل گھسٹ کر جانا پڑے۔'' (ابن ماجہ)

☆ ''جب تم دیکھو کہ سیاہ جھنڈے خراسان کی جانب سے آرہے ہیں تو اُن میں شامل ہوجانا، اگرچہ منہ کے بل برف پر گھسٹ کر جانا پڑے، کیونکہ اُن میں اللہ کا خلیفہ مہدی ہوگا۔'' (احمد عن ثوبانؓ)

☆ ''میری امت میں مہدی ہوگا، جو کم از کم سات سال ورنہ نو سال تک رہے گا، اُس کے دور میں میری امت اتنی خوشحال ہوگی کہ اس سے قبل کبھی ایسی خوشحال نہ ہوئی ہوگی۔'' (حاکم عن ابی سعیدؓ)

☆ اُن کا زمانہ ایسی خیر و برکت کا ہوگا کہ ''ایک شخص اُن کے پاس آئے گا اور عرض کرے گا: یا مھدی! مجھے کچھ عطا کیجیے، مجھے کچھ عطا کیجیے، وہ ہاتھ بھر بھر کر اُس کی چادر میں اتنا ڈال دیں گے، جتنا وہ اٹھا سکے گا۔'' (ترمذی عن ابی سعیدؓ)

☆ ''میری امت کے آخری دور میں ایک خلیفہ ہوگا، جو دونوں ہاتھ بھر بھر کر مال دے گا اور اُسے شمار نہیں کرے گا۔'' (مسلم عن جابرؓ)

☆ ''میں تمہیں مہدی کی بشارت دیتا ہوں، جو ایسے دور میں مبعوث ہوگا، جب لوگوں میں بڑا اختلاف ہوگا اور بڑے زلزلے آئیں گے......''

(احمد عن ابی سعید خدریؓ)

☆ ''ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ مہدی کا ظہور اُس وقت ہوگا جب لوگ مایوس ہو کر یہ کہیں گے کہ مہدی کی کوئی حقیقت نہیں۔'' (الحاوی)

(یہ تمام احادیث ترجمان السنۃ: ۳۷۲/۴......۴۰۱ سے ماخوذ ہیں۔)

تبصرہ: یوں تو دنیا نائبِ حق سے کبھی خالی نہیں رہی، لیکن مذکورۃ الصدر اشعار پڑھتے ہوئے اگر یہ احادیث پیشِ نظر ہوں تو ذہن میں فوراً یہ خیال آتا ہے کہ اقبال ان اشعار میں جس نائبِ حق کے لیے دعا کر رہے ہیں اور جس کے ظہور سے اپنی امیدیں وابستہ کر رہے ہیں، اس کا مصداقِ کامل یہی مھدیٔ موعود اور امام منتظر، سلام اللہ و رضوانہ علیہ، ہیں! اقبالؒ کے اردو کلام سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ انہوں نے فارسی کلام میں جس نائبِ حق کی بات کی ہے، اس سے اُن کی مراد مھدیٔ منتظر ہیں۔ تو آیئے! اس بارے میں اردو میں فکرِ اقبال کا مطالعہ کرتے ہیں۔

''ضربِ کلیم'' میں 'مہدیٔ برحق' کے زیرِ عنوان فرماتے ہیں......اور خیال رہے کہ لوحِ کتاب پر اقبالؒ نے ''ضربِ کلیم'' کا مطلب یہ بیان کیا ہے: ''اعلانِ جنگ، دورِ حاضر کے خلاف''......اس مفہوم کی روشنی میں درج ذیل اشعار پڑھیے:

''سب اپنے بنائے ہوئے زنداں میں ہیں محبوس
خاور کے ثوابت ہوں کہ افرنگ کے سیار!
پیرانِ کلیسا ہوں کہ شیخانِ حرم ہوں
نے جدّتِ گفتار ہے، نے جدّتِ کردار!
ہیں اہلِ سیاست کے وہی کہنہ خم و پیچ
شاعر اُسی افلاسِ تخیّل میں گرفتار!
☜ دنیا کو ہے اُس مہدیٔ برحق کی ضرورت
ہو جس کی نگہ زلزلۂ عالمِ افکار!

(ضربِ کلیم:۴۴)

اسی مجموعۂ کلام میں ''مہدی'' کے عنوان کے تحت فرماتے ہیں:

☜ ''قوموں کی حیات اُن کے تخیّل پہ ہے موقوف
یہ ذوق سکھاتا ہے ادب مرغِ چمن کو
مجذوبِ فرنگی نے باندازِ فرنگی
مہدی کے تخیّل سے کیا زندہ وطن کو
☜ اے وہ کہ تو مہدی کے تخیّل سے ہے بیزار
نومید نہ کر آہوئے مشکیں سے ختن کو
ہو زندہ کفن پوش تو میّت اُسے سمجھیں
یا چاک کریں مردکِ ناداں کے کفن کو؟''

(ضربِ کلیم:۵۹)

اور بالِ جبریل میں فرماتے ہیں:

'' کھلے جاتے ہیں اسرارِ نہانی!
گیا دورِ حدیثِ لن ترانی!
ہوئی جس کی خودی پہلے نمودار
وہی مہدی، وہی آخر زمانی!''

(بالِ جبریل:۸۹)

یاد رہے اس سے پہلے بھی اقبال نے نائبِ حق یا مہدیٔ منتظر کا ذکر ''اسرارِ خودی'' میں کیا ہے اور اُس مرحلے میں کیا ہے جب خودی تربیت یافتہ ہو چکی ہوتی ہے، اِس سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ فلسفۂ خودی کی روشنی میں امامِ مہدی سلام اللہ و رضوانہ علیہ، خودی کے مظہرِ کامل بلکہ مجسم خودی ہوں گے!

اور غالباً اقبال کی آخری آرزو اسی مظہرِ خودی کے ظہور سے پوری ہوگی!

امامِ مہدی چونکہ اہلِ بیت علیہم السلام سے ہوں گے، اِس مناسبت سے آپ کے ذکرِ خیر سے یہ اوراق زینت پذیر ہو رہے ہیں!

اہلِ ذوق ''اسرارِ خودی'' کے اشعار امام مہدیؑ کی منقبت اور دعا کے طور پر پڑھیں گے تو ایمان میں تازگی اور قلب و روح میں کیف و سرور پائیں گے!☆

☆ زیرِ نظر تالیف کا اکثر حصہ میں حضرت سید نفیس الحسینیؒ کی زندگی میں لکھ چکا اور انہیں سنا چکا تھا۔ افسوس امام مہدیؑ کے بارے میں یہ مقالہ اُن کی زندگی میں نہیں لکھ سکا، شاہ صاحبؒ کو امام مہدیؑ کی ذات والا صفات سے نہایت درجہ مودّت اور عقیدت تھی، اس کے ساتھ کلامِ اقبال سے بھی شغف تھا، آج وہ زندہ ہوتے اور یہ مقالہ سنتے تو یقیناً خوش ہوتے اور دعا دیتے۔ مجھے امید ہے کہ عالمِ بالا میں بھی اُن کی روح اس خدمت سے خوش ہوگی اور دعا دے گی!

یہاں تک متداول کلیات سے اہلِ بیتؑ کے بارے میں اقبالؒ کے خیالات بیان کیے گئے، اب ''باقیاتِ اقبال'' ☆ سے اہلِ بیتؑ کی بارگاہ میں آپ کا نذرانۂ مودّت پیشِ خدمت ہے۔

اقبالؒ کے جو اشعار متداول کلیات میں شامل نہ ہو سکے، اس کی کئی وجوہ ہو سکتی ہیں:

(۱) بہت سے اشعار اور نظمیں ممکن ہے کلام کی ترتیب کے وقت دستیاب نہ ہوئی ہوں۔ چنانچہ ''باقیات'' کے پیش لفظ میں مرتب لکھتے ہیں:

''مدتوں علامہ مرحوم کا یہ دستور رہا کہ جب کوئی نظم لکھتے تو اس کو کسی رسالے میں اشاعت کے لیے بھجوا دیتے یا کسی دوست کو دے دیتے۔ جب علامہ کو اردو کلام کے پہلے کلیات کے شائع کرنے کا خیال آیا تو جو نظمیں بآسانی دستیاب ہو سکیں یا جو اُن کو یاد تھیں، وہی نظمیں اس میں شامل کر دی گئیں۔''

(۲) جو اشعار دستیاب ہوئے یا موجود تھے، لیکن اقبالؒ نے انہیں حذف کر دیا کہ وہ اُس غزل یا نظم میں موزوں نہ تھے۔

(۳) بعض اشعار ممکن ہے کہ فنی، لفظی یا معنوی اعتبار سے معیار سے کم تر ہوں۔

☆ ''باقیاتِ اقبال'' کے عنوان سے اقبالؒ کے وہ اشعار جمع کیے گئے ہیں، جو کلیات میں شامل نہ ہو سکے۔ جامع و مرتب ہیں سید عبدالواحد معینی۔

باقیاتِ اقبالؒ

(۴) بعض نظمیں اور اشعار سیاسی نظریات اور مزاج بدلنے سے حذف ہوئے۔

(۵) ہوسکتا ہے کہ بعض اشعار نہایت لطیف ذاتی جذبات ہوں، جن کی اشاعت مناسب خیال نہ کرتے ہوں۔

محذوف اشعار میں غور کرنے سے یہ وجوہ معلوم ہوسکتی ہیں۔

لیکن اہلِ بیتؑ کی منقبت میں جو اشعار ہیں، اُن کے حذف و ترک کا یہ معنیٰ ہرگز نہیں کہ اقبالؒ اِن مضامین سے بھی دستبردار ہو گئے تھے، یہ تو جذبات اور عقائد ہیں، سیاسی نظریوں اور صنفی محبتوں میں تو نسخ ہو جاتا ہے، ایمانی جذبوں، سچی عقیدتوں اور پاکیزہ محبتوں میں نسخ نہیں ہوا کرتا۔ اس لیے اہلِ بیتؑ کے بارے میں باقیات میں شامل تمام اشعار اقبالؒ کے ہی خیالات ہیں اور انہیں اِسی حیثیت میں قبول کیا جائے گا، جبکہ اِن خیالات کی متداول کلام سے تائید بھی ہو رہی ہے!

اور یہ بھی ایک لطیف حقیقت ہے کہ سیدنا ومولانا علی کرم اللہ وجہہٗ سے بے پناہ عقیدت کا اظہار جتنا متروک کلام سے ہوتا ہے، اتنا متداول کلام سے نہیں ہوتا۔

☆ سب سے پہلے اقبالؒ کے فارسی کلام سے ''سپاسِ جنابِ امیرؑ'' اہلِ فکرو نظر کے لیے ہدیۂ مودّت ہے۔

یہ سپاس نامہ مشہور ادبی رسالے ''مخزن'' کے جنوری ۱۹۰۵ء کے شمارے میں درجِ ذیل نوٹ کے ساتھ شائع ہوا:

''ذیل کی نظم درج کر کے آج ہم اُن احباب کے تقاضوں سے سبکدوش ہوتے ہیں، جو پروفیسر اقبال صاحب کے فارسی کلام کے لیے اکثر دفعہ اشتیاق ظاہر کیا کرتے ہیں۔ فارسی نظمیں عموماً مخزن میں درج نہیں ہوتیں، تاہم احباب کے اصرار سے ہم

اِسے ہدیۂ ناظرین کرتے ہیں۔ یہی نظم باظہارِ عقیدت شیخ صاحب صبح کے وقت پڑھا کرتے ہیں۔''

اس نوٹ سے سیدنا ومولانا علی کرم اللہ وجہہ سے عقیدت کے ساتھ یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اقبال کا علم وفن اور فکر ونظر فیضانِ علیؑ ہے...... آئندہ اردو اشعار میں اقبال نے اِس بات کی صراحت بھی کی ہے...... اِسی طرح اقبال کو جو قبولِ عام حاصل ہوا، یہ بھی اُنہی کی نظرِ کرم ہے!

اب ہدیۂ مودّت لیجیے اور قلب ونظر کو راحت دیجیے!

خیال رہے کہ ایک سو تین سال کے بعد...... میرے علم کے مطابق...... پہلی مرتبہ اس سپاس نامہ کا ترجمہ اور شرح شائع ہو رہی ہے، اہلِ علم اگر کوئی خطا پائیں تو آگاہ فرمائیں۔

سپاسِ جنابِ امیرؑ

(۱) اے محوِ ثنائے تُو زباں ہا   اے یوسفِ کاروانِ جاں ہا

ترجمہ: ''اے کہ زبانیں تیری ثنا میں محو ہیں، اے کاروانِ ارواح کے یوسف!''۔

شرح: سپاس نامے کا آغاز سیدنا علیؓ کے مناقب اور محاسن سے کر رہے ہیں، اسلوب خطاب کا اپنایا ہے۔ ان اشعار میں سیدنا علیؓ سے اپنے قلبی ارتباط اور کسبِ فیض کا بھی اظہار ہے۔ ابتدا اس اقرار سے ہے کہ میرا یہ سپاس نامہ آپ کو متعارف کروانے کے لیے نہیں، آپ کا احسان تسلیم کرنے کے لیے ہے، اس لیے کہ آپ کی شخصیت اتنی معروف اور محبوب ہے کہ آپ کا نام ہر ایک کے وردِ زبان ہے، اور آپ قافلۂ ارواح کے یوسف ہیں کہ آپ کی محبت روحوں میں رچی بسی ہے، جسے دلوں سے نکالا نہیں جا سکتا۔ اس مصرع میں حضرت علیؓ کو یوسف کہنے میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ آپؓ کی زندگی کے حوادث حضرت یوسفؑ کے حوادثِ حیات سے بہت مماثلت رکھتے ہیں۔

(۲) اے بابِ مدینۂ محبت   اے نوحِ سفینۂ محبت

ترجمہ: ''اے شہرِ محبت کے باب اور اے سفینۂ محبت کے نوح!''

شرح: پہلے مصرعے میں مدینۂ محبت سے رسول اللہ ﷺ کی طرف اشارہ ہے۔ یعنی آپ ﷺ شہرِ محبت ہیں اور علیؓ اس کا دروازہ ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی

محبت حضرت علیؓ کی محبت سے حاصل ہوتی ہے، جو علیؓ کی محبت سے محروم ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی محبت سے بھی محروم ہے۔ دوسرے مصرعے میں اُس حدیث کی طرف اشارہ ہے، جس میں اہل بیتؓ کو امت میں سفینۂ نوحؑ فرمایا گیا ہے۔ اس حدیث کے مطابق اہل بیتؓ سفینۂ نوحؑ ہیں تو سیدنا علیؓ نوحِ سفینہ ہیں، اور جس سفینے کے ناخدا نوحؑ ہوں، وہ کبھی بھٹک سکتا ہے نہ ڈوب سکتا ہے۔

(۳) اے ماحیِ نقشِ باطلِ من   اے فاتحِ خیبرِ دلِ من

ترجمہ: ''اے میرے نقشِ باطل کو مٹانے والے اور اے میرے خیبرِ دل کو فتح کرنے والے!''

شرح: نقشِ باطل سے مراد ہے مغربی فلسفے اور مغربی تعلیم و تہذیب کے اثرات، اِن اثرات اور خیالات کی آماجگاہ دل ہوتا ہے، اس لیے اپنے دل کو خیبر سے تشبیہ دی۔ یہ خیبرِ دل بڑا مضبوط اور محفوظ تھا، لیکن یہ علیؓ کا علم تھا، جس نے اس خیبرِ دل کو فتح کیا اور اسے ہر باطل اور طاغوتی اثر سے پاک صاف کیا۔ اس میں یہ بات بھی کہی جا رہی ہے کہ علیؓ صرف ظاہری اور مادّی خیبر کو ہی فتح کرنے والے نہیں تھے، بلکہ باطنی خیبر کے بھی فاتح ہیں۔ سبحان اللہ! بڑی بلیغ تشبیہ ہے۔

(۴) اے سرِّ خطِ وجوب و امکاں   تفسیرِ تو سورہ ہائے قرآں

ترجمہ: ''اے وجوب و امکان کے خطِ فاصل کے راز، قرآن کی سورتیں تیری تفسیر ہیں''

شرح: حضرت علیؓ کی ذاتِ گرامی ایک ایسے مقامِ بلند پر فائز ہے، جہاں انسانی کمال کی انتہا اور الٰہی کمال کی ابتدا ہوتی ہے۔ آپؓ واجب الوجود اور ممکن الوجود کے خطِ فاصل پر کھڑے ہیں، اس لیے وجوب وامکان کی حقیقت آپؓ کی ذات سے اجاگر ہوتی ہے، گویا ایک انسان جتنے کمالات حاصل کرسکتا ہے، وہ سب حضرت علیؓ میں موجود ہیں، آپؓ کی ذات انسانِ کامل کا نمونہ ہے...... اور ظاہر ہے کہ اس سے مراد وہ کمالات ہیں، جو کوئی غیر نبی حاصل کرسکتا ہے۔

اور دوسرے مصرعے میں یہ جو فرمایا کہ ''قرآن کی سورتیں تیری تفسیر ہیں'' اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کالبِّ لباب خالق اور مخلوق کے مرتبے اور حقوق کی تعیین وتبیین ہے۔ انسان اپنے کمال میں کہاں تک پہنچ سکتا ہے؟ اور کونسا کمال ذاتِ واجب الوجود کے لیے مخصوص ہے؟ قرآن کی روشنی میں ایک مسلم کو کن اخلاق سے آراستہ اور کن عادات سے مبرّا ہونا چاہیے؟ یہ سب حضرت علیؓ کی ذاتِ گرامی سے ہمیں سمجھ آتا ہے۔

(۵) اے مذہبِ عشق رانمازے اے سینۂ تو امینِ رازے

ترجمہ: ''اے مذہبِ عشق کے لیے بدرجۂ نماز، اے کہ تیرا سینہ کسی راز کا امانت دار ہے۔''

شرح: سیدنا ومولانا علیؓ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے عشق میں فنا تھے، یہ عشق آپؓ کی نماز اور نماز آپؓ کا عشق تھا، اس لیے آپؓ امامِ عاشقاں ہیں۔ اب جو مذہبِ عشق پر چلنا چاہے، لازم ہے کہ علیؓ کو امام مانے، ذکرِ علیؓ کرے اور اسوۂ علیؓ پر چلے۔

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علیؓ کو بعض تکوینی اسرار سے آگاہ فرمایا تھا، روایات میں اس کا ذکر موجود ہے، جیسا کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ کو بعض اسرار عطا فرمائے تھے۔ دوسرے مصرعے میں اسی شرف کی طرف اشارہ ہے۔

(۶) اے سرِّ نبوّتِ محمدؐ اے وصفِ تو مدحتِ محمدؐ

ترجمہ: ''اے نبوتِ محمد ﷺ کے راز، اے کہ تیری توصیف مدحتِ محمد ﷺ ہے۔''

شرح: سیدنا ومولانا علیؓ آغازِ نبوت سے ختمِ نبوت تک خلوت وجلوت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہے، اس لیے اس راہ میں جو کچھ بیتا، آپؓ اس کے رازدار ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے آپؓ کی بڑے اہتمام سے تعلیم وتربیت فرمائی تھی، آپؓ کو بجا طور پر شاہکارِ رسالت کہا جاسکتا ہے، اس لیے آپؓ کی منقبت اصل میں رسول اللہ ﷺ کی مدحت ہے، اور اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ آپؓ کی منقصت رسول اللہ ﷺ کی منقصت شمار ہوگی، والعیاذ باللہ۔

(۷) گردوں کہ بہ رفعت ایستادست از بامِ بلندِ تو فتادست

ترجمہ: ''آسمان جو اتنا بلند وبالا ہے، تیری بلند چھت سے پست ہے۔''

شرح: آسمان سے اونچا ہونا کنایہ ہوتا ہے نہایت درجہ بلندیٔ مرتبت سے، ابتدائی چھ شعروں میں اوصافِ حمیدہ کے ذکر کے بعد اب شاعر کہتا ہے کہ سیدنا ومولانا علیؓ کے روضے کا مرتبہ اتنا بلند ہے کہ آسمان بھی اُس سے پست ہے،

اور جب مکان اتنا بلند مرتبہ ہے تو مکین کا مرتبہ کیا ہوگا!

(۸) ہر ذرّہ درگہت چو منصور   در جوشِ ترانۂ أنا الطُّور

ترجمہ: ''تیری درگاہ کا ہر ذرّہ منصور کی طرح ''انا الطور'' کا ترانہ الاپ رہا ہے۔''

شرح: حسین بن منصور حلاج وہ بزرگ ہیں، جنہوں نے غلبۂ حال میں ''أنا الحق'' کہا تھا، اور طور وہ پہاڑ ہے، جس پر حضرت موسیٰؑ کے دور میں حق تعالیٰ کی تجلّی نازل ہوئی تھی۔ مقصود یہ ہے کہ حضرت علیؓ کی درگاہ مرکزِ تجلیات ہے، یہاں اتنے انوار نازل ہوتے ہیں کہ درگاہ کا ہر ذرّہ نورِ معرفت سے مخمور ہو کر منصور بنا ہوا ہے اور پکار پکار کر کہہ رہا ہے: میں طور ہوں، میں طور ہوں ......اس شعر میں حق تعالیٰ کے یہاں حضرت علیؓ کی قربت اور منزلت بھی بیان کی جارہی ہے۔

(۹) بے تُو نتواں باُو رسیدن   بے اُو نتواں بتُو رسیدن

ترجمہ: ''تیرے بغیر اُس تک نہیں پہنچ سکتے اور اُس کے بغیر تجھ تک نہیں پہنچ سکتے۔''

شرح: ہماری تمام عبادتوں کا مقصود اللہ تعالیٰ کا قرب اور رضا ہے، لیکن راہنما کے بغیر راہ نہیں ملتی، تو حضرت علیؓ ہادی ہیں، اور ایسا ہادی بھی اللہ کی توفیق سے ملتا ہے، اس لیے علیؓ کے بغیر اللہ نہیں ملتا، اور اللہ کے بغیر علیؓ نہیں ملتا، علیؓ اللہ کے ولی ہیں اور امام الاولیاء ہیں، خوش نصیب ہے وہ جسے علیؓ کی مودّت اور ولایت نصیب ہوجائے!

(۱۰) فردوس زتو چمن در آغوش   از شانِ تو حیرت آئنہ پوش

ترجمہ: ''تیرے وجود سے فردوس کی آغوش میں چمن کھل اٹھا، اور تیری شان سے حیرت بھی حیرت زدہ ہے۔''

شرح: سیدنا و مولانا علیؓ کی ہستی اتنی معزز اور مقدس ہے کہ جنت الفردوس بھی اِس پر ناز کرتی ہے کہ آپؓ نے اُسے اپنی رہائش کے لیے چنا، آپؓ کے قدوم میمنت لزوم سے جنت بہار اندر بہار بنی ہوئی ہے۔ آپؓ کی عظمتِ شان کیا بیان کی جائے، یہاں تو حیرت بھی حیرت زدہ ہے۔

(۱۱) جانم بغلامئ تو خوشتر   سر برزدہ ام ز جیبِ قنبرؓ

ترجمہ: ''میری روح تیری غلامی میں اتنی زیادہ خوش ہے کہ میں نے سر قنبرؓ کے گریبان سے نکالا ہے۔''

شرح: ''قنبرؓ سیدنا علیؓ کے غلام اور خادم خاص تھے، شاعر اُن کے اِس مقام کو نگاہِ رشک سے دیکھ رہا ہے، شاعر اپنے آپ کو روحانی طور پر مولا علیؓ کا غلام تصور کرتا ہے اور اس غلامی پر اُسے اتنا ناز ہے کہ کہتا ہے: میں پیدا ہی علیؓ کی غلامی میں ہوا ہوں، پیدائش سے ہی علیؓ کی غلامی بلکہ علیؓ کے غلام کا لباس میرے وجود پر ہے۔ نیز ''سر نکالنا'' کنایہ ہوتا ہے عزت اور شہرت سے، یعنی مجھے عزت اور شہرت قنبرؓ کا لباس زیبِ تن کرنے سے نصیب ہوئی ہے۔ الغرض اقبالؒ علیؓ کے غلام کی غلامی کو اپنے لیے باعثِ فخر سمجھتے ہیں۔

(۱۲) ہشیارم و مستِ بادۂ تو   چوں سایہ ز پا فتادۂ تو

ترجمہ: ''میں ہوش میں ہوں اور تیری شراب سے مست بھی ہوں، سایے کی طرح

تیرے سامنے پڑا ہوا ہوں۔"

شرح: اس شعر میں اقبالؒ سیدنا علیؑ سے اپنی وابستگی اور وارفتگی کا اظہار کر رہے ہیں کہ بظاہر میں ہوش میں ہوں، لیکن میرا دل، میری روح بادۂ مودّت سے مخمور ہے، اور جب کوئی مخمور ہو جاتا ہے تو کھڑا نہیں رہ سکتا، گر جاتا ہے، میں بھی آپ کے سامنے گرا ہوا ہوں، لیکن اپنے وجود کے ساتھ نہیں، بلکہ سایے کی طرح آپ کے سامنے پڑا ہوا ہوں۔ یعنی مولا علیؑ کی مودّت میں میرا وجود فنا ہو چکا ہے، اب سایہ ہے، جو علیؑ کے ساتھ ساتھ رہتا ہے۔

(۱۳) از ہوش شدم مگر بہوشم   گوئی کہ نُصیری خموشم

ترجمہ: "میں بے ہوش ہوں مگر ہوش میں ہوں، تو اگر نُصیری بھی کہے، میں خاموش ہوں۔"

شرح: گزشتہ شعر میں کہا تھا کہ میں بظاہر ہوش میں ہوں، لیکن بادۂ مودّت سے مخمور ہوں، اس شعر میں کہتے ہیں کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ باتیں میں بے ہوشی میں کر رہا ہوں، میں بے خود ہونے کے باوجود ہوش میں ہوں، اور اگر کوئی اس مودّت کی وجہ سے مجھے نُصیری کہے، تو خاموش رہوں گا اور ہوش و حواس کے ساتھ یہ الزام قبول کروں گا...... نُصیری وہ گمراہ گروہ ہے جس نے سیدنا علیؑ کو خدا کہا تھا، اور سیدنا علیؑ نے انہیں سزا دی تھی۔ اقبالؒ کہتے ہیں کہ اگر علیؑ کی مودّت میں کوئی مجھے نصیری بھی کہے، تو میں اسے قبول کروں گا...... ظاہر ہے کہ یہ شاعرانہ مبالغہ ہے، شاعر محبت میں کبھی اپنے آپ کو کافر بھی کہتا ہے، مقصد یہ ہے کہ میں علیؑ کی مودّت سے باز نہیں رہ سکتا، خواہ

اس بارے میں کوئی مجھے کتنی ہی ملامت کرے اور کیسا ہی الزام دے۔

(۱۴) دانم کہ ادب بضبطِ راز است   در پردۂ خامشی نیاز است

ترجمہ: "میں جانتا ہوں کہ ادب راز داری میں ہے اور نیاز مندی خاموشی کے پردے میں ہے۔"

(۱۵) امّا چہ کنم مئے تولاّ   تنداست بروں فتد ز مینا

ترجمہ: "لیکن کیا کروں، تولاّ کی مے بہت تیز ہے، صراحی سے چھلکی پڑ رہی ہے۔"

شرح: "ان شعروں میں اقبالؒ کہتے ہیں کہ میں آدابِ محبت سے واقف ہوں، ادب یہی ہے کہ محبت راز رہے، یہ آگ اندر ہی اندر سلگتی رہے اور جذبۂ نیاز پر سکوت کا پردہ پڑا رہے، لیکن کیا کروں، تولاّ یعنی مودّتِ اہل بیتؑ کی شراب اتنی تیز ہے کہ دل کی صراحی سے چھلکی پڑ رہی ہے:

آبگینہ تندیٔ صہبا سے پگھلا جائے ہے

مقصد یہ ہے کہ میں اس مودّت کا اظہار نہیں کرنا چاہتا تھا، لیکن اب ضبط مشکل ہو رہا ہے، اس لیے یہ راز ظاہر ہو گیا۔

(۱۶) ز اندیشۂ عاقبت رہیدم

جنسِ غمِ آلِ تو خریدم

ترجمہ: "تیری آل کی متاعِ غم خرید کر میں نے عاقبت کے اندیشے سے رہائی پالی۔"

شرح: اظہار و اقرارِ مودّت کے بعد اب کہتے ہیں کہ آلِ علیؑ، جو آلِ نبیؐ بھی ہے، پر اسلامی اقدار کی حفاظت اور بقا کے لیے جتنے مصائب و آلام آئے، اُن کا غم میری متاعِ حیات ہے، اور میں نے ثمنِ دل دے کر یہ متاعِ غم خریدی

ہے، اور جب سے مجھے یہ متاع ملی ہے، آخرت میں نجات کی فکر نہیں رہی، اس لیے کہ محبتِ اہلِ بیتؓ ایمان کی علامت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے اِن پیاروں پر ظلم کا غم دل کو نفاق سے پاک کر دیتا ہے اور اُن کی یاد میں بہنے والے آنسو جہنم کی آگ کو ٹھنڈا کر دیتے ہیں، اور جو شخص اس کیفیت میں دنیا سے رخصت ہو، یقیناً جنت میں جائے گا۔

ملا علی قاریؒ نے امام احمد بن حنبلؒ کی سند سے یہ روایت ذکر کی ہے:

ترجمہ: ''حسنؓ بن علیؓ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے غم میں جس کی آنکھیں نمناک ہوئیں یا اُس کی آنکھوں سے کوئی آنسو ٹپک پڑا، تو اللہ عزّ وجلّ اُسے جنت عطا فرمائے گا۔'' (مرقاۃ: ۱۱/۳۹۱)

(نوٹ: یہاں تک بیانِ منقبت اور اظہارِ عقیدت تھا، اب اپنی فکری تشنگی اور ذہنی الجھاؤ کا ذکر کرتے ہیں، اِن اشعار میں غالباً اُن ایام کا ذکر ہے، جب اقبال آزاد خیالی، بے یقینی اور شک و ریب کی وادی میں سرگرداں تھے۔)

(۱۷) فکرم چو بہ جستجو قدم زد — در دیر شد و درِ حرم زد

ترجمہ: ''میری فکر نے جب تلاشِ حقیقت میں قدم اٹھایا، بت خانے میں بھی گئی اور حرم کا دروازہ بھی کھٹکھٹایا۔''

(۱۸) در دشتِ طلب بسے دویدم — دامان چو گرد باد چیدم

ترجمہ: ''میں دشتِ طلب میں بہت دوڑا، میں نے بگولے کی طرح اپنا دامن اٹھالیا۔''

(۱۹) در آبلہ خارہا خلیدہ — صد لالہ تہِ قدم دمیدہ

ترجمہ: ''(اس حال میں کہ) آبلوں میں کانٹے چبھے ہوئے تھے اور قدموں تلے سو گلِ لالہ اُگے ہوئے تھے۔'' (گلِ لالہ سرخ ہوتا ہے، اس شعر میں زخموں کو گلِ لالہ سے تشبیہ دی، مراد ہے کہ میں اتنا بھاگا دوڑا کہ پاؤں میں آبلے پڑ گئے اور تلوے زخمی ہو گئے۔)

(۲۰) افتادہ گرہ بروے کارم — شرمندۂ دامنِ غبارم

ترجمہ: ''میرے کام میں گرہ پڑی ہوئی تھی اور میرا غبار آلود دامن شرمندۂ (منزل) تھا۔''

یعنی انتہائی کدّ و کاوش کے باوجود میری مشکل حل نہیں ہو رہی تھی اور منزل نہیں مل رہی تھی۔

(۲۱) پویاں پئے خضر سوئے منزل — بر دوشِ خیال بستہ محمل

ترجمہ: ''دوشِ خیال پر محمل باندھے ہوئے میں خضر کی تلاش میں (نادیدہ) منزل کی جانب دوڑ رہا تھا۔''

(۲۲) جویائے مے و شکستہ جامے — چوں صبح بباد چیدہ دامے

ترجمہ: ''مے کا متلاشی تھا اور جام ٹوٹا ہوا تھا، (اور میری کیفیت یہ تھی) جیسے صبح ہوا کو اپنے دام میں سمیٹے ہوئے ہو۔''

یعنی جیسے رات بھر صبح کا انتظار رہے اور صبح طلوع ہو تو ہوا بند ہو، حبس اور گھٹن ہو، تو طبیعت بے چین ہو جاتی ہے، اسی طرح میں بھی ظلمتِ افکار میں صبحِ معرفت تلاش کر رہا تھا، لیکن دل ٹوٹا ہوا تھا، کسی پر اعتماد نہیں تھا، تو یہ نور حاصل ہو تو کیسے ہو؟ اس ذہنی حبس اور کرب میں مبتلا تھا...... صبح کے وقت سورج جب طلوع ہوتا ہے تو فضا میں اس کی کرنیں جال کی طرح دکھائی

دیتی ہیں، غالباً اسی کو صبح کا دام کہا جا رہا ہے۔

(۲۳) پیچیدہ بخود چو موجِ دریا   آوارہ چو گردِ بادِ صحرا

ترجمہ: ''موجِ دریا کی طرح اپنے آپ سے لپٹ رہا تھا، (یعنی دل میں اضطراب برپا تھا) اور صحرا کے بگولے کی طرح بھٹک رہا تھا۔''

(۲۴) وامانده ز دردِ نارسیدن   در آبلۂ شکستہ دامن

ترجمہ: ''نارسائی کے درد سے تھکا ہارا، آبلہ پا اور شکستہ دامن تھا۔''

(نوٹ: شعر ۱۷ سے ۲۴ تک کا حاصل یہ ہے کہ میں حق اور حقیقت کی تلاش میں اپنی علمی و فکری پیاس بجھانے کے لیے مارا مارا پھرا، اپنوں سے بھی ملا اور بیگانوں سے بھی، لیکن کہیں سے بھی تسلی و تشفی نہ ہوئی، پھر.........)

(۲۵) عشقِ تو دلم ربود ناگاہ   از کارِ گرہ کشود ناگاہ

ترجمہ: (مولا علیؑ!) تیرے عشق نے اچانک میرا دل اچک لیا اور میرے مقصود سے یکا یک گرہ کھول دی''۔ (یعنی میری مشکل حل کر دی۔)

(۲۶) آگاہ ز ہستی و عدم ساخت   بت خانۂ عقل را حرم ساخت

ترجمہ: ''مجھے وجود و عدم کی حقیقت سے آگاہ کر دیا، اور میری عقل کے بت خانے کو حرم بنا دیا۔''

(۲۷) چوں برق بخرمنم گزر کرد   از لذتِ سوختن خبر کرد

ترجمہ: ''(شعلۂ عشق) بجلی کی طرح میرے خرمنِ دل سے گزرا، مجھے سوز و گداز کی لذت سے آشنا کر گیا۔''

(۲۸) برباد متاعِ ہستیم داد   جامے ز مئے حقیقتم داد

ترجمہ: ''میری متاعِ ہستی کو فنا کر دیا اور مجھے شرابِ حقیقت کا ایک جام عطا کیا۔''

(۲۹) سرمست شدم زپا فتادم   چوں عکس زخود جدا فتادم

ترجمہ: ''میں بے خود اور مدہوش ہو کر گر پڑا، سایے کی طرح خود سے جدا ہو کر گر پڑا۔''

(۳۰) پیراہنِ ما و من دریدم   چوں اشک زچشمِ خود چکیدم

ترجمہ: ''میں نے 'ہم اور میں' کا پیراہن پھاڑ ڈالا، میں آنسو کی طرح اپنی آنکھ سے ٹپکا۔''

یعنی میں نے اپنا آپ وجودِ ملّی میں فنا کر دیا ہے، اور اب میں جو نظر آ رہا ہوں، وجودِ ملّی کی آنکھ سے ٹپکا ہوا آنسو ہوں۔ ''طلوعِ اسلام'' میں یہ مضمون یوں بیان فرمایا ہے:

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملّت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

(۳۱) خاکم بفرازِ عرش بردی   زاں راز کہ با دلم سپردی

ترجمہ: ''میری خاک کو تو عرش کی بلندی پر لے گیا، اُس راز کی بدولت جو تو نے میرے دل کے سپرد کیا۔''

(۳۲) واصل بکنار کشتیم شد   طوفانِ جمالِ زشتیم شد

ترجمہ: ''میری کشتی کنارے سے جا لگی، طوفان میری بدروئی کا جمال بن گیا''۔

طوفان سے بے یقینی اور آزاد خیالی کا طوفان مراد ہے، جو زندگی کے ایک مرحلے میں اٹھا تھا، لیکن مودّتِ علیؑ نے دستگیری کی اور کشتیٔ فکر و نظر ساحلِ یقین سے جا لگی تو یہ طوفان زشت فکری اور پریشان نظری کے لیے باعث

جمال ہوگیا کہ بے یقینی یقین و ایمان میں ڈھل گئی اور عشق کی دولت نصیب ہوئی۔

(۴۳) جز عشق حکایتے ندارم　　پروائے ملامتے ندارم

ترجمہ: ''(اب) میرے پاس عشق کے سوا کوئی حکایت نہیں اور مجھے کسی ملامت کی پروا نہیں۔''

(۴۴) از جلوۂ عام بے نیازم

سوزم، گریم، تپم، گدازم

ترجمہ: ''میں جلوۂ عام (شہرت) سے بے نیاز ہوں، میں (اندر ہی اندر) جلتا ہوں، روتا ہوں، تپتا ہوں اور پگھلتا رہتا ہوں۔'' (باقیاتِ اقبال: ۱۹۲۔۱۹۵)

....

ایک رسالے نے امام حسینؓ کی یاد میں خاص شمارہ شائع کیا، اس میں علامہ اقبال کے درجِ ذیل اشعار زینتِ شمارہ بنے:

نوائے بےنوا

(شبیرؓ و جہاں آفرینی)

بیا تا ازیں انجمن بگذریم　　ازیں کاخ و کوئے کہن بگذریم

ترجمہ: ''آ کہ اس انجمن سے گزر جائیں، اس پرانے قصر و کوچہ سے گزر جائیں۔''

یعنی اس ماحول اور پرانی روایات کو چھوڑیں۔

دگر خیمہ در کربلائے زنیم　　بہ ایں بےنوائے نوائے زنیم

ترجمہ: ''کربلا میں ایک اور خیمہ گاڑیں، اس بےنوا کے ساتھ آواز بلند کریں۔''

نوائے کہ آتش کند خاک را　　نوائے کہ واسوزد افلاک را

ترجمہ: ''ایسی آواز جو خاک کو آگ بنا ڈالے، ایسی آواز جو افلاک کو جلا ڈالے۔''

نوائے کہ بےسازِ تقدیر نیست　　نوائے کہ بےضربِ شبیرؓ نیست

ترجمہ: ''ایسی آواز جو سازِ تقدیر کے بغیر نہیں ہوتی، ایسی آواز جو ضربِ شبیرؓ کے بغیر نہیں ہوتی۔''

یعنی مظلوم کے حق میں ایسی آواز بلند کرنی چاہیے کہ تقدیر اُس سے ہم آہنگ ہو جائے اور ضربِ شبیرؓ اُس کے ساتھ شامل ہو جائے۔

اگر بندۂ ایں نوائے زند

چوں یزداں جہاں آفرینی کند

ترجمہ: ''اگر کوئی بندہ ایسی آواز بلند کرتا ہے، وہ یزداں کی طرح نیا جہان پیدا کرتا ہے۔''

یعنی ایسی آواز زمانے کا رُخ پھیر دیتی ہے اور روایتوں اور قدروں کو بدل ڈالتی ہے، جیسے امامِ حسینؓ کی آوازِ حق سے ایک نیا جہان پیدا ہوا۔

(باقیاتِ اقبال: ۲۵۹)

....

یزیدے کافرے

سید نادر حسین بھیرہ کے تحصیل دار تھے، قتل ہو گئے، اس پر اقبالؒ نے درج ذیل قطعۂ تاریخ کہا، بعد میں پتا چلا کہ موصوف کو سازش سے شہید کیا گیا تھا، اس لیے اقبالؒ نے اپنے مکتوب مؤرخہ ۷؍فروری ۱۹۱۹ء میں اس مادۂ تاریخ کو الہامی قرار دیا ہے۔

اس قطعۂ تاریخ سے یزید کے بارے میں اقبال کا خیال بھی واضح ہوتا ہے:

"سیدِ والا نسب نادر حسین

در رہِ صدق و صفا جولانگرے

چوں جدّ خود از جہاں مظلوم رفت

آں گروہِ صادقاں را سرورے

گفت ہاتف مصرعِ سالِ رحیل

کشت سیّد را یزیدے کافرے"

(باقیاتِ اقبال:۴۸۹)

....

اور اب اہل بیتؓ کے بارے میں اقبالؒ کا متروک اردو کلام!

(۱) اپنی مشہور نظم "نالۂ یتیم" میں یتیم کی دعا کی اثر آفرینی کے بیان میں فرماتے ہیں:

"جس طرح مجھ کو شہیدِ کربلاؓ سے پیار ہے

حق تعالیٰ کو یتیموں کی دعا سے پیار ہے" (باقیات:۴۹)

یہ تشبیہ مقلوب ہے اور نادر ہے، اس شعر سے امام حسینؓ سے اقبالؒ کی گہری مودّت ظاہر ہو رہی ہے۔

....

(۲) نظم "اسلامیہ کالج کا خطاب" کے بندِ نہم میں نعتیہ اشعار میں فرماتے ہیں:

"اے کہ ہم نامِ خدا بابِ دیارِ علم تو

امّیے بودی و حکمت رانمایاں کردۂ" (باقیات:۱۲۹)

ترجمہ: "اے وہ ہستی کہ آپؐ کے شہرِ علم کا دروازہ ہم نامِ خدا ہے، آپؐ امّی تھے، لیکن آپؐ نے حکمت و دانش کو نمایاں فرمایا۔"

اس شعر سے حضور ﷺ کی نعت کے ساتھ سیدنا علیؓ کی منقبت اور عظمت کا اظہار ہو رہا ہے۔

....

بندۂ شاہِ لافتیٰ

(۳) اقبالؒ کو ایک حلقے کی طرف سے بیعت کی دعوت دی گئی، آپ نے اس کے جواب میں ایک منظوم خط لکھا، جس کا عنوان ہے: "پیغامِ بیعت کے جواب میں" اس خط کے آخر میں فرماتے ہیں:

"ہائے یہ دل ہو میرے پہلو میں — تو یہ سمجھے کہ دہریا ہوں میں

اہلِ دل کو بگاڑ سے مطلب — سب بزرگوں کی خاکِ پا ہوں میں

فیضِ اقبالؔ ہے اِسی در کا

بندۂ شاہِ لافتیٰ ہوں میں" (باقیات:۱۶۶)

ان اشعار میں اقبالؒ اہلِ باطل سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے ظاہر کو دیکھ کر تم نے مجھ سے جو امیدیں وابستہ کر لی ہیں، وہ درست نہیں، اس

لیے کہ میرا دل علیؑ اور محبانِ علیؑ کی محبت سے لبریز ہے، اور جس دل میں علیؑ کی مودّت و عقیدت ہو، اُسے گمراہ نہیں کیا جاسکتا۔

....

ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

(۴) اپنی نظم ''فریادِ امت'' میں سرورِ دوعالم ﷺ سے عرض کرتے ہیں:

''مقصدِ لَحمُکَ لَحمِی پہ کُھلی اِن کی زباں
یہ تو اِک راہ سے تجھ کو بھی بُرا کہتے ہیں
یہ نصاریٰ کا خدا اور وہ علیؑ شیعوں کا
ہائے کس ڈھنگ سے اچھوں کو بُرا کہتے ہیں
تیرے پیاروں کا جو یہ حال ہوا اے شافعِ حشر
میرے جیسوں کو تو کیا جانیے کیا کہتے ہیں''

(ابتدائی کلامِ اقبال:۱۹۶، باقیات:۱۵۶)

رسول اللہ ﷺ نے سیدنا و مولانا علیؑ سے فرمایا تھا ''لَحمُکَ لَحمِی'' ☆ ''تیرا گوشت میرا گوشت ہے'' یعنی ہم ایک نسل کے ہیں اور ایک ہیں، تو اب جو حضرت علیؑ سے بغض رکھے اور اُنہیں برا کہے، وہ انجام کار رسول ﷺ کو بُرا کہہ رہا ہے، کیونکہ آپؐ نے فرمادیا کہ میں اور علی ایک ہیں۔

☆ یہ حدیث سند و لفظ کے اعتبار سے اگرچہ نہایت ضعیف ہے، لیکن معنی و مفہوم کے اعتبار سے بالکل صحیح ہے، اس لیے کہ درجِ ذیل حدیثِ صحیح سے اس کی تائید ہوتی ہے: ''رسول اللہ ﷺ نے علی سے فرمایا: ''أنت منی و أنا منک'' (ترجمہ) ''تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔'' (بخاری و مسلم عن البراء بن عازب، مشکوٰۃ:۳۹۳)

اسی طرح نصاریٰ کا خدا کہہ کر اُس خدا کی توہین خدا کی ہی توہین ہے، اور شیعہ کے علیؑ کی توہین علیؑ کی ہی توہین ہے، کیونکہ خدا بھی ایک ہے اور علیؑ بھی ایک ہے، انہیں فرقوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ دراصل حضرت مسیح علیہ السلام اور حضرت علیؑ سے دل میں بغض اور کدورت ہوتی ہے، جس کا اگر کُھل کر اظہار ہو، تو کفر کا کھلا فتویٰ لگ جائے، اِس ڈر سے نصاریٰ اور شیعہ کی آڑ لے کر دل کے پھپولے پھوڑے جاتے ہیں۔ ہونا یہ چاہیے کہ حضرت مسیحؑ اور حضرت علیؑ سے جو غلط باتیں منسوب کر دی گئی ہیں، اُن کی تردید ہو، جیسا کہ قرآنی اُسلوب ہے، نہ یہ کہ ان مقدس ہستیوں کو فرقوں میں بانٹ کر زبان درازی کی جائے۔

....

رونے والا ہوں شہیدِ کربلاؑ کے غم میں مَیں

(۵) اقبالؒ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء دہلویؒ کے مزارِ مبارک پر حاضر ہوئے اور اپنی نظم ''برگِ گل'' پیش کی۔ اس میں اوّلاً حضرت خواجہؒ سے اپنی عقیدت کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''سینۂ پاکِ علیؑ جن کا امانت دار تھا
اے شہِ ذی جاہ! تو واقف ہے اُن اَسرار سے
ہند کا داتا ہے تو، تیرا بڑا دربار ہے
کچھ ملے مجھ کو بھی اِس دربارِ گوہر بار سے
اِک نظر میں خسروِ ملکِ سخن خسرو ہوا
میں کہیں خالی نہ پھر جاؤں تری سرکار سے''

پھر بارگاہِ رسالت مآب ﷺ کی عظمت اور ہیبت دل پر طاری ہوتی ہے اور اس کے ساتھ شوقِ حضوری تڑپاتا ہے تو عرض کرتے ہیں:

''اُس بڑیؐ سرکار کے قابل مری فریاد ہے
چل حضوری میں شہِ یثربؐ کی تو لے کر مجھے
میرا کیا منہ ہے کہ اُسؐ سرکار میں جاؤں مگر
تیرے جیسا مل گیا تقدیر سے رہبر مجھے
واسطہ دوں گا اگر لختِ دلِ زہراؓ کا میں
غم میں کیونکر چھوڑ دیں گے شافعِ محشرؐ مجھے''

پھر اہل بیتؓ سے اپنی گہری ارادت کا یوں اقرار کرتے ہیں:

''ہوں مرید خاندانِ خفتۂ خاکِ نجفؓ
موجِ دریا آپ لے جائے گی ساحل پر مجھے
رونے والا ہوں شہیدِ کربلاؓ کے غم میں مَیں
کیا دُرِ مقصد نہ دیں گے ساقیٔ کوثرؓ مجھے
دل میں ہے مجھ بے عمل کے داغِ عشقِ اہلِ بیتؓ
ڈھونڈتا پھرتا ہے ظلِّ دامنِ حیدرؓ مجھے'' (باقیات: ۱۷۶، ۱۷۷)

گویا اقبالؒ کے نزدیک اہلِ بیتؓ سے مودّت باعثِ نجات اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی نظرِ التفات کا وسیلہ ہے۔

....

مریدِ پیرِ نجفؓ

(۶) حصولِ علم کے لیے لندن روانہ ہونے سے پہلے آپ درگاہِ حضرت محبوب الٰہیؒ، دہلی میں حاضر ہوئے اور دعا کے لیے عرض کیا، اس موقع پر آپ کے جذبات ''التجائے مسافر'' کی صورت میں منظوم ہوئے، اِس میں درخواست گزار ہیں:

''کرم، کرم کہ غریب الدیار ہے اقبالؔ
مریدِ پیرِ نجفؓ ہے، غلام ہے تیرا'' (باقیات: ۳۴۶)

....

(۷) نظم ''خطاب بہ مسلم'' میں فرماتے ہیں:

''ہو یقیں مردہ تو سگ تجھ سے ہے بہتر سو بار
ہو یقیں زندہ تو پھر حیدرِ کرّارؓ ہے تو'' (باقیات: ۲۲۳)

گویا حیدرِ کرّارؓ سراپا یقین و ایمان تھے اور شرفِ انسانی کی بقا کے لیے وصفِ ایمانی ضروری ہے، اور جس کا ایمان کامل ہے، یقیناً وہ انسان کامل ہے، چنانچہ حضرت علیؓ انسانِ کامل ہیں۔

....

(۸) ایک غزل کے آخر میں لکھتے ہیں:

''یہ ہے اقبالؔ فیضِ یادِ نامِ مرتضیٰؓ جس سے
نگاہِ فکر میں خلوت سرائے لامکاں تک ہے'' (باقیات: ۴۴۸)

اِس شعر میں اقبال اقرار کررہے ہیں کہ میری بلندیٔ فکر اور دقّتِ نظر اور میرا علم وفن سب بابِ علم علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کا فیض ہے۔

....

وردِ زباں ہے علیؓ کا نام

(۹) ایک اور غزل میں فرماتے ہیں:

''جہاں سے پلتی تھی اقبالؔ روح قنبرؓ کی
مجھے بھی ملتی ہے روزی اُسی خزینے سے
ہمیشہ وردِ زباں ہے علیؓ کا نام اقبالؔ!
کہ پیاس روح کی بجھتی ہے اس نگینے سے'' (باقیات:۴۵۵)

قنبرؓ حضرت علیؓ کے غلام اور خادمِ خاص تھے، آپؓ سے روایت بھی کرتے ہیں، مسجدِ براسہ، بغداد کے پہلو میں مدفون ہیں۔

اِن اشعار میں اقبال سیدنا ومولانا علی کرم اللہ وجہہ کی غلامی کے اعتراف کے ساتھ اپنے ماخذِ علم کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ بابِ علم ہے، جہاں سے میرے قلب وروح کو آبِ حیات ملتا ہے۔

....

(۱۰) نظم ''تصویرِ درد'' میں لکھتے ہیں:

''نجف میرا مدینہ ہے، مدینہ ہے مرا کعبہ
میں بندہ اور کا ہوں، اُمتِ شاہِؓ ولایت ہوں'' (باقیات:۳۲۱)

یہ شعر حضرت علیؓ سے گہری اور بے پایاں عقیدت کو ظاہر کررہا ہے کہ مجھے رب کعبہ مدینہ سے ملا اور سرکارِ مدینہ ﷺ کی توجہ وعنایت سرکارِ نجفؓ

کے وسیلے سے حاصل ہوئی، اس لیے میرا سب کچھ یہی ہیں۔

....

(۱۱) ایک اور نظم میں فرماتے ہیں:

''سنا ہے صورتِ سینا، نجف میں بھی اے دل
کوئی مقام ہے غش کھا کے گرنے والوں کا''

(کلیاتِ باقیات:۲۹۲)

یعنی نجف اشرف میں مزارِ اقدس مرکزِ تجلیٔ الٰہی ہے، جہاں سے ہر شخص اپنے اپنے ظرف کے مطابق فیض یاب ہوتا ہے، اور اس میں کوئی شک نہیں۔

....

(۱۲) بالِ جبریل کی غزل:۴۲ میں متروک شعر ہے:

''علیؓ کے علم پہ حجّت تھی ذوالفقارِ علیؓ
غرض کہ دعویٔ صوفی ہے بے قیاس ودلیل''

(کلیاتِ باقیات:۴۹۰)

مقصد یہ ہے کہ علم ویقین ہمّت، طاقت اور جہاد کے بغیر کارگر نہیں ہوتا، یہی وجہ ہے کہ حضرت علیؓ بابِ علم ہونے کے ساتھ مردِ میدان بھی تھے، اور اُن کی ذوالفقار اپنے وار سے اُن کے علم ویقین کی شہادت دیتی تھی، جبکہ صوفی وملّا کے یہاں صرف باتیں ہی باتیں ہیں، جہاد نہیں، اس لیے انہیں تسلیم نہیں کیا جاتا۔

....

ابوتراب اور ابن تراب

(۱۳) بال جبریل کی غزل: ۱۳ میں متروک شعر ہے:

''ابو تراب ہے خیبر کشا و مرحب کُش
کہاں وہ حوصلہ تجھ میں کہ تو ہے ابنِ تراب''

(کلیاتِ باقیات: ۴۸۷)

ابوتراب حضرت علیؓ کا لقب ہے، اس کا حاصلِ معنی ہے: نفس پر غالب، اور ابنِ تراب کا حاصلِ معنی ہے: نفس سے مغلوب۔ مقصود یہ ہے کہ جب کوئی ابوتراب ہوتا ہے تو باطل قلعے کو فتح کر لیتا ہے اور طاغوت کا سر کچل دیتا ہے، ابنِ تراب کو یہ حوصلہ نصیب نہیں ہوتا۔ اس شعر میں پیغام یہ ہے کہ ایک مسلم کو ابوتراب ہونا چاہیے۔

اسی مضمون کو اقبالؒ نے اسماءِ علیؓ کے اسرار کی شرح میں یوں ادا کیا ہے:

''خاک گشتن مذہبِ پروانگی است
خاک را اَب شو که ایں مردانگی است''

(اسرارِ خودی: ۴۸)

مزید وضاحت کے لیے زیرِ نظر رسالہ کے ابتدائی صفحات میں اسمِ ابوتراب کی شرح مطالعہ کیجیے۔

....

(۱۴) مشہور نظم ''بلالؓ'' میں یہ اشعار بھی تھے:

''تیرے نصیب کا آخر چمک گیا اختر
علیؓ کے سینے میں جو راز تھا کھلا تجھ پر

نمازِ عشقِ حسینؓ حجاز ہے گویا
یہی نماز خدا کی نماز ہے گویا'' (باقیات: ۳۳۴)

عشقِ الٰہی نور ہے، حضرت علیؓ اور حضرت حسینؓ سراپا عشق تھے، یہی عشق ہے، جس کے نور سے حضرت بلالؓ کی قسمت چمکی، اور نماز بس وہی ہے، جو عشق و محبت سے ادا کی جائے، عشق سے خالی نماز بے جان ہے۔

....

مذہبِ اقبال

(۱۵) ایک نظم کا مقطع ہے:

''پوچھتے کیا ہو مذہبِ اقبالؔ
یہ گنہ گار بوترابی ہے''

(کلیاتِ باقیات: ۲۵۸)

یہ شعر واضح کر رہا ہے کہ اقبالؒ کا مسلک و مشربِ مودّتِ اہلِ بیتؓ ہے اور وہ سیدنا علیؓ کی محبت میں فنا تھے۔

....

مولائی

(۱۶) ایک غزل میں نعت اور منقبت میں حسین امتزاج کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''میں تو اُس عاشق کے ذوقِ جستجو پر مرمٹا
مَاعَرَفْنَا کہہ کے جو تیرا تمنائی ہوا

تجھ میں کیا اے عشق وہ اندازِ معشوقانہ تھا
حُسن خود لَولَاکَ کہہ کر تیرا شیدائی ہوا
بُغضِ اصحابِؓ ثلاثہ سے نہیں اقبال کو
دِق مگر اِک خارجی سے آکے مولائی ہوا" (باقیات: ۳۹۴)

آخری شعر میرے حالِ دل کا ترجمان ہے☆ میرے دل میں اصحابِ ثلاثہؓ کی محبت ہے، عقیدت ہے، لیکن ناصبیوں کے مقابل میں مولائی ہوں، ذکرِ علیؑ سے میرا دل جھومتا ہے، مصائبِ اہلِ بیتؑ پر میری روح تڑپتی ہے اور میری آنکھیں روتی ہیں۔

الٰہی!

میرا اور میری ذرّیت کا جینا، مرنا مودّتِ اہلِ بیتؑ پر مقدّر فرما
اور آخرت میں ہمیں اہلِ بیتؑ کے قدموں میں محشور فرما!

....

☆ مجھے یاد ہے یہ شعر پڑھ کر میں پھڑک اٹھا تھا، ایک شب یہی شعر گنگناتا ہوا سو گیا تو خواب میں اس کا مفہوم یوں موزوں ہو گیا:

بغض نمی دارم بہ اصحابِ ثلاثہؓ اے یار!
آزردہ شدم از ناصبی و مولائی شدم

مصادر

(۱) قرآن مجید
(۲) کلیاتِ اقبالؒ (فارسی) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ستمبر ۱۹۸۱ء (اشاعت چہارم)
(۳) کلیاتِ اقبالؒ (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، جنوری ۱۹۸۹ء (طبع اول)
(۴) باقیاتِ اقبال، سید عبدالواحد معینی، آئینۂ ادب، چوک مینار، انارکلی، لاہور، بار دوم ۱۹۶۶ء
(۵) ابتدائی کلامِ اقبال بہ ترتیب مہ و سال ڈاکٹر گیان چند، اردو ریسرچ سنٹر، حیدرآباد، بھارت
(۶) کلیاتِ باقیاتِ شعرِ اقبال، ڈاکٹر صابر کلوروی، اقبال اکادمی، پاکستان
(۷) شرح رموزِ بے خودی، پروفیسر یوسف سلیم چشتی، عشرت پبلشنگ ہاؤس، ہسپتال روڈ، انارکلی، لاہور
(۸) فرہنگ آصفیہ، سید احمد دہلوی، ترقی اردو بیورو، نئی دہلی
(۹) مھذّب اللغات، مہذب لکھنوی، محافظ اردو بک ڈپو، منصور نگر، نیا محل لکھنؤ
(۱۰) فیروز اللغات (فارسی) فیروز سنز، لاہور، ۱۹۵۲ء
(۱۱) نسیم اللغات (اردو) شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور ۱۹۷۹ء (اشاعت ششم)
(۱۲) معالم التنزیل، ابومحمد الحسین بن مسعود الفراء البغویؒ، مطبع شاخ فتح الکریم، بمبئی، ۱۳۰۹ھ، طبع اول۔
(۱۳) روح المعانی، سید محمود آلوسیؒ، مکتبہ امدادیہ، ملتان۔
(۱۴) مفردات الفاظ القرآن: راغب اصفہانیؒ، تحقیق: ندیم مرعشلی، ایران

(۱۵) الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل بخاریؒ، قدیمی کتب خانہ، کراچی۔

(۱۶) سننِ ترمذی، ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورۃ الترمذیؒ، قدیمی کتب خانہ، کراچی

(۱۷) المستدرک علی الصحیحین، ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ حاکمؒ نیشاپوری، دارالکتب العلمیۃ، بیروت۔

(۱۸) مسند الامام احمدؒ بن حنبل، دارصادر، بیروت

(۱۹) مجمع الزوائد و منبع الفوائد، حافظ نورالدین علی بن ابی بکر الہیثمیؒ دارالکتاب العربی، بیروت، لبنان

(۲۰) مشکوۃ المصابیح۔ ایچ، ایم، سعید کمپنی، پاکستان چوک، کراچی، ۱۳۹۱ھ

(۲۱) مرقاۃ المفاتیح، ملا علی بن سلطان محمد القاریؒ، مکتبہ امدادیہ، ملتان۔

(۲۲) ریاض الصالحین، محی الدین یحییٰ بن شرف نوویؒ۔ الأفق، بیروت، لبنان۔

(۲۳) ترجمان السنّۃ، مولانا محمد بدرِ عالم میرٹھیؒ، مکتبہ مدینہ، اردو بازار، لاہور

(۲۴) الصواعق المحرقۃ، احمد بن حجر ہیتمی مکیؒ، مکتبہ الحقیقۃ، استانبول، ترکی۔

(۲۵) الخصائص الکبریٰ، جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطیؒ، تحقیق: محمد خلیل ہراس، دارالکتب الحدیثۃ، ۱۴، شارع الجمھوریہ، بعابدین۔

(۲۶) مناقب علیؓ والحسنینؓ وأمھما فاطمۃ الزھراءؓ، محمد فؤاد عبدالباقی، دارالحدیث، قاہرہ ۱۴۲۳ھ/۲۰۰۳ء

(۲۷) الطبقات الکبریٰ، محمد ابن سعد بصری، دارصادر، بیروت۔

(۲۸) سیر اعلام النبلاء، ابوعبداللہ محمد بن احمد ذہبیؒ، مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

(۲۹) تاریخ خلیفہ بن خیاط، تحقیق: سہیل زکار، ناشر: دارالفکر، بیروت، لبنان ۱۹۹۳م/۱۴۱۴ھ

(۳۰) تاریخ الرسل والملوک، ابوجعفر محمد بن جریر طبری، دارالمعارف، قاہرہ، مصر

(۳۱) الامامۃ والسیاسۃ المعروف بتاریخ الخلفاء ابی محمد عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ الدینوری (۲۱۳۔۲۷۶ھ) شرکہ مصطفیٰ البابی الحلبی واولادہ، مصر، الطبعۃ الثالثۃ: ۱۹۶۳ء/۱۳۸۲ھ

(۳۲) کتاب الفخری فی الآداب السلطانیہ والدول الاسلامیہ: محمد بن علی بن طباطبا المعروف بابن الطقطقی، مطبعۃ الموسوعات، مصر، ۱۳۱۷ھ۔

(۳۳) تاریخ الخلفاء (مترجمہ) جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر سیوطیؒ، نفیس اکیڈمی، اردو بازار، کراچی

(۳۴) الفاروقؓ، شبلی نعمانی، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور

(۳۵) المرتضیٰؓ، مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، مکتبہ سید احمد شہیدؒ، لاہور۔

(۳۶) خلفائے راشدینؓ، معین الدین ندویؒ، دارالمصنفین، اعظم گڈھ، بھارت۔

نکتۂ توحید

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے!
وہ رمزِ شوق کہ پوشیدہ لَا اِلٰہ میں ہے
طریقِ شیخ فقیہانہ ہو تو کیا کہیے!
سرور جو حق و باطل کی کارزار میں ہے
تو حرب و ضرب سے بیگانہ ہو تو کیا کہیے!
جہاں میں بندۂ حُر کے مشاہدات ہیں کیا
تری نگاہ غلامانہ ہو تو کیا کہیے!
مقامِ فقر ہے کتنا بلند شاہی سے
روش کسی کی گدایانہ ہو تو کیا کہیے! (ضرب کلیم)

لا و الّا

فضائے نور میں کرتا نہ شاخ و برگ و بر پیدا
سفر خاکی شبستاں سے نہ کر سکتا اگر دانہ
نہادِ زندگی میں ابتدا لا انتہا الّا
پیامِ موت ہے جب لا ہو الّا سے بیگانہ!
وہ ملت روح جس کی لا سے آگے بڑھ نہیں سکتی!
یقیں جانو ہوا لب ریز اُس ملت کا پیمانہ! (ضرب کلیم)

تصوّف

یہ حکمتِ ملکوتی، یہ علمِ لاہوتی
حرم کے درد کا درماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ ذکرِ نیم شبی، یہ مراقبے، یہ سرور
تری خودی کے نگہباں نہیں تو کچھ بھی نہیں
یہ عقل، جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
شریکِ شورشِ پنہاں نہیں تو کچھ بھی نہیں
خرد نے کہہ بھی دیا لَا اِلٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں
عجب نہیں کہ پریشاں ہے گفتگو میری
فروغِ صبح پریشاں نہیں تو کچھ بھی نہیں! (ضرب کلیم)

مرگِ خودی

خودی کی موت سے مغرب کا اندروں بے نور
خودی کی موت سے مشرق ہے مبتلائے جذام
خودی کی موت سے روحِ عرب ہے بے تب و تاب
بدن عراق و عجم کا ہے بے عروق و عظام!
خودی کی موت سے ہندی شکستہ بالوں پر
قفس ہوا ہے حلال اور آشیانہ حرام!
خودی کی موت سے پیرِ حرم ہوا مجبور
کہ بیچ کھائے مسلماں کا جامۂ احرام! (ضرب کلیم)

ابلیس کا فرمان

اپنے سیاسی فرزندوں کے نام

لا کر برہمنوں کو سیاست کے پیچ میں
زناریوں کو دیرِ کہن سے نکال دو!
وہ فاقہ کش کہ موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو! ﷺ
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو!
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
ملاّ کو اُن کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے اُن کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ خُتن سے نکال دو
اقبالؔ کے نفَس سے ہے لالے کی آگ تیز
ایسے غزل سرا کو چمن سے نکال دو! (ضرب کلیم)

از ولائے دودمانش زندہ ام
در جہاں مثل گہر تابندہ ام
سلام اللہ و رضوانہ علیہم
مقامِ اہلِ بیت
اقبالؒ
کی نگاہ سے
ترتیب و تحقیق
حافظ ظفر اللہ شفیق

لا الٰہ الا اللہ

- خودی کا سرِّ نہاں لا الٰہ الا اللہ
  خودی ہے تیغ، فساں لا الٰہ الا اللہ

- یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
  صنم کدہ ہے جہاں لا الٰہ الا اللہ

- کیا ہے تو نے متاعِ غرور کا سودا
  فریبِ سود و زیاں! لا الٰہ الا اللہ

- یہ مال و دولتِ دنیا، یہ رشتہ و پیوند
  بتانِ وہم و گماں! لا الٰہ الا اللہ

- خرد ہوئی ہے زمان و مکاں کی زناری
  نہ ہے زماں، نہ مکاں! لا الٰہ الا اللہ

- یہ نغمہ فصلِ گل و لالہ کا نہیں پابند
  بہار ہو کہ خزاں، لا الٰہ الا اللہ

- اگرچہ بُت ہیں جماعت کی آستینوں میں
  مجھے ہے حکمِ اذاں، لا الٰہ الا اللہ

(ضربِ کلیم)

زیرِ نظر کتاب اُسوۂ اہلِ بیتؑ کی روشنی میں
اقبالؒ کے اسی پیام کی تفصیل ہے!